Magazine of Majlis Ansarullah UK

ANSARUDDIN

July - August 2018 Wafa/Zahoor 1396HS Vol. 15 No. 4

جھلکیاں جلسہ سالانہ برطانیہ ۲۰۱۸

﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم   وعلیٰ عبدہ المسیح الموعودؑ﴾

انصار الدین

جلد 15 نمبر 4 | مجلس انصاراللہ برطانیہ کا تعلیمی، تربیتی اور معلوماتی مجلّہ | جولائی و اگست 2018ء

انصار اللہ کا عہد

اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

مَیں اقرار کرتا ہوں کہ اسلام احمدیت کی مضبوطی اور اشاعت اور نظامِ خلافت کی حفاظت کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ آخر دم تک جدوجہد کرتا رہوں گا اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہوں گا۔ نیز مَیں اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتا رہوں گا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

فہرست مضامین

- درس القرآن الکریم اور حدیث النبی ﷺ — 2
- ارشادات سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام — 3
- فرمودات حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز — 3
- سبق آموز......اور......ایک انتباہ — 4
(پروفیسر محمد شریف خان۔ امریکہ)
- اصحابِ احمدؑ کا عشقِ قرآن (پہلی قسط) — 5
(میر انجم پرویز۔ مربی سلسلہ)
- حضرت علّامہ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ — 9
(کلیم احمد کم۔ لندن)
- تاریخ احمدیت میں لندن کا ہائیڈ پارک کارنر — 13
(بشیر احمد خان رفیق)
- محترم مولانا محمد عثمان چو چنگ شی صاحب (دوسری اور آخری قسط) — 17
(محمود احمد ملک)
- نوبل انعام یافتہ رابندر ناتھ ٹیگور کے ادب پر اسلام کا اثر (چوتھی اور آخری قسط) — 21
(مفیض الرحمٰن، بوسنیا۔ شیخ فضل عمر، انگلینڈ)
- آیئے! کشتی نوح میں آبیٹھیں — 23
(واحد اللہ جاوید۔ لندن)

تمام انصار اپنا جائزہ لیں کہ کیا آپ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد کے تحت جماعت احمدیہ کی ترقیات اور احمدیوں کی حفاظت کے لئے روزانہ دو نفل ادا کر رہے ہیں اور ہفتہ وار نفلی روزہ کا اہتمام کر رہے ہیں؟

صدر مجلس:
ڈاکٹر چوہدری اعجاز الرحمٰن
قائد اشاعت: محمود علی مرزا
مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر شمیم احمد
مدیر: محمود احمد ملک
نائبین: صفدر حسین عباسی، حبیب الرّحمٰن غوری۔
مینیجر: نعیم گلزار
ڈیزائننگ: عامر ملک
ترسیل: عرفان اللّٰہ چیمہ (انچارج)
عبدالرشید قاضی۔ ارشاد بھٹی
عمران شاہد۔ شکیل احمد
عمران گل۔ رشید شاہد۔ مقبول احمد
ناصر ملک۔ حاشر ملک

"Ansaruddin" 181 London Road, Morden, Surrey SM4 5PT   e-mail address: ansaruddin@ansar.org.uk

درس القرآن

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِالْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ۔ اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ۔ (النحل:126)

اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ اپنے ربّ کے راستے کی طرف حکمت کے ساتھ اور اچھی نصیحت کے ساتھ دعوت دے اور ان سے ایسی دلیل کے ساتھ بحث کر جو بہترین ہو۔ یقیناً تیرا رب ہی اسے جو اس کے راستے سے بھٹک چکا ہو سب سے زیادہ جانتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کا بھی سب سے زیادہ علم رکھتا ہے۔

حکمت کا مطلب نبوّت کا بھی ہے۔ یعنی تبلیغ اس ذریعہ سے کرو جو نبوّت کا ذریعہ ہے اور ہم مسلمانوں کے لئے یہ ذریعہ قرآن کریم ہے۔ پس قرآنی دلائل سے دنیا کے دلوں کو فتح کرنے کی کوشش ہونی چاہئے نہ کہ اپنی پسند کے دلائل سے قائل کرنے کی کوشش کی جائے۔ قرآنی دلائل سے کوشش کریں گے تو پھر ان میں وزن بھی ہوگا۔ اگر اپنی بات کو مضبوط کرنے کی نیت سے اپنے دلائل سے کام لیا جائے تو اس کا اُلٹا اثر ہوتا ہے۔ پس یہی ایک ہتھیار ہے جس کے استعمال سے ہماری فتح ہے کہ ہم قرآن کریم کو ہمیشہ ہاتھ میں رکھیں اور جس کے استعمال سے ہم ہر ایک کا منہ بند کر سکتے ہیں اور جہاد کے لئے بھی یہی ہتھیار ہے جسے اللہ تعالیٰ نے استعمال کرنے کا ارشاد فرمایا تھا۔

کاش کہ آج کے مسلمان یہ سمجھ سکیں۔ آجکل مسلمان زیادہ شدّت پسند ہو چکے ہیں۔ وہ اس بات کو سمجھیں کہ تلوار سے دنیا فتح کرنے کی باتیں کرنے کی بجائے اور بندوق کے زور پر شریعت نافذ کرنے کی بجائے دلوں کو اس خوبصورت تعلیم سے جیتنے کی کوشش کریں۔ لیکن ان کی عقلوں پر پڑے ہوئے پردے اُس وقت اُٹھیں گے جب وہ زمانے کے امام کو مانیں گے۔ پس آج یہ ہمارا کام ہے کہ اس ہتھیار سے دنیا کو گھائل کرتے چلے جائیں۔ اُن کے دل جیتتے چلے جائیں۔ کل غیر مسلم مہمانوں کے سیشن میں بھی مَیں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم سے جو جہاد اور امن کے بارے میں اسلامی تعلیم پیش کی تھی۔ اس پر بعض مہمانوں نے اپنے تأثرات بھی دیئے کہ یہ باتیں سن کر اسلام کے بارے میں ہمارے خیالات بالکل بدل گئے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی مختلف مواقع پر اکثر مہمان یہ تأثرات دیتے ہیں کہ ہم جماعت کو جانتے ہیں اور جن احمدیوں سے ہمارا واسطہ ہے انہوں نے ہمیں اسلام کی خوبصورت تعلیم بتائی ہے۔ پس یہ تعلیم بتانا ہم میں سے ہر ایک کا کام ہے اور یہ تعلیم وہی ہے جو قرآن کریم نے ہمیں دی ہے۔

پھر تبلیغ کے لئے حکمت کے لفظ میں یہ بھی اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا کہ ایسے طریق سے بات کی جائے جو دوسرا سمجھ سکے۔ ایک کم پڑھے لکھے انسان کے سامنے اگر اپنی علمیت بگھاری جائے تو اسے کوئی فائدہ نہیں دے گی۔ ایسی بات ہو جو دوسرے کی غلط فہمی کو دُور کرے اور جہالت کو ختم کرے۔ آنحضرت ﷺ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ لوگوں سے ان کے فہم اور ادراک کے مطابق بات کیا کرو۔

(جلسہ سالانہ جرمنی 2015ء کے اختتامی خطاب سے ماخوذ)

حدیث النبی ﷺ

آنحضرت ﷺ کی چند دعائیں

اے اللہ! میں تجھ سے سستی ، بڑھاپے، گناہوں، چٹی اور فتنہ قبر اور عذاب قبر، آگ کے فتنہ اور آگ کے عذاب سے پناہ مانگتا ہوں۔ تو مجھے دولت کے فتنے کے شر سے اپنی پناہ میں لے لے۔ مَیں تجھ سے غربت کے فتنہ سے پناہ مانگتا ہوں۔ اور مسیح دجال کے فتنہ سے تیری پناہ کا طلبگار ہوں۔ اے اللہ تو میری خطائیں برف اور اولوں کے پانی سے دھودے۔ اور میرے دل کو خطاؤں سے اس طرح صاف کر دے جس طرح سفید کپڑے کو تو میل سے صاف کر دیتا ہے۔ اور تو میرے اور میری خطاؤں کے درمیان اس طرح دوری فرما دے جس طرح تو نے مشرق و مغرب میں دوری پیدا فرمائی ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الدعوات باب التعوذ من المأثم و المغرم۔ حدیث نمبر6368)

اے اللہ! میرے گناہ مجھے بخش دے اور میرے گھر کو میرے لئے وسیع کر دے اور میرے لئے میرے رزق میں برکت ڈال دے۔

(السنن الکبری لنسائی کتاب عمل الیوم واللیلۃ باب ما یقول اذا توضأ حدیث نمبر9908)

اے اللہ! مَیں بےبسی، سستی، بزدلی اور تھکا دینے والے بڑھاپے سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور قبر کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اور اے خدا! میں تجھ سے زندگی اور موت کے فتنے سے بچنے کے لئے پناہ مانگتا ہوں۔

(صحیح بخاری کتاب الدعوات باب التعوذ من فتنۃ المحیا والممات ۔حدیث نمبر6367)

اے اللہ! مجھے میری خطائیں معاف فرما دے اور میرے سب معاملات میں میری لاعلمی (جہالت) اور میری زیادتی کے شر سے مجھے بچا لے۔ اور ہر اس (نقصان اور شر) سے بچا لے جسے تو مجھ سے بھی زیادہ جانتا ہے۔ اے اللہ! میری خطائیں بخش دے، میری دانستہ، نادانستہ اور ازراہِ مذاق کی ہوئی ساری خطائیں مجھے بخش دے کہ یہ سب میرے اندر موجود ہیں۔ جو خطائیں مجھ سے سرزد ہو چکیں اور جو ابھی نہیں ہوئیں اور جو مخفی طور پر مجھ سے سرزد ہوئیں اور جو کھلم کھلاّ میں نے کیں وہ سب مجھے بخش دے۔ تُو ہی آگے بڑھانے والا اور پیچھے ہٹا دینے والا ہے اور تُو ہی ہر چیز پر قادر ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الدعوات باب قول البنی ﷺ اللھم اغفرلی ......حدیث نمبر6398)

اے اللہ! میں اپنا آپ تیرے سپرد کرتا ہوں، تجھ پر توکّل کرتا ہوں اور تجھ پر ایمان لاتا ہوں۔ تیری طرف جھکتا ہوں اور تیری مدد کے ساتھ مدّ مقابل سے بحث کرتا ہوں اور تیرے ہی حضور اپنا مقدمہ پیش کرتا ہوں۔ تُو مجھے میرے اگلے پچھلے، اعلانیہ، پوشیدہ سب گناہ بخش دے۔ تُو ہی مقدّم اور مؤخر ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

(صحیح بخاری کتاب الدعوات باب الدعاء اذا انتبہ من الیل حدیث نمبر6317)

کلام الامام علیہ السلام

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''مَیں نے محض خدا کے فضل سے نہ اپنے کسی ہنر سے اس نعمت سے کامل حصہ پایا ہے جو مجھ سے پہلے نبیوں اور رسولوں اور برگزیدوں کو دی گئی تھی اور میرے لئے اس نعمت کا پانا ممکن نہ تھا اگر مَیں اپنے سید و مولیٰ، فخر الانبیاء، خیر الوریٰ حضرت محمد مصطفی ﷺ کی راہوں کی پیروی نہ کرتا۔ سو مَیں نے جو کچھ پایا اس پیروی سے پایا اور مَیں اپنے سچے اور کامل علم سے جانتا ہوں کہ کوئی انسان بجز پیروی اس نبی ﷺ کے خدا تک نہیں پہنچ سکتا اور نہ معرفت کاملہ کا حصہ پا سکتا ہے۔ اور مَیں اس جگہ یہ بھی بتلاتا ہوں کہ وہ کیا چیز ہے جو سچی اور کامل پیروی آنحضرت ﷺ کے بعد سب باتوں سے پہلے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ سو یاد رہے کہ وہ قلب سلیم ہے یعنی دل سے دنیا کی محبت نکل جاتی ہے اور دل ایک ابدی اور لازوال لذت کا طالب ہو جاتا ہے اور پھر بعد اس کے ایک مصفّٰی اور کامل محبت الٰہی بباعث اس قلب سلیم کے حاصل ہوتی ہے اور یہ سب نعمتیں آنحضرت ﷺ کی پیروی سے بطور وراثت ملتی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۔وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (آل عمران:32) یعنی ان کو کہہ دے کہ اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو تا خدا بھی تم سے محبت کرے۔ بلکہ یکطرفہ محبت کا دعویٰ بالکل ایک جھوٹ اور لاف و گزاف ہے۔ جب انسان سچے طور پر خدا تعالیٰ سے محبت کرتا ہے تو خدا بھی اس سے محبت کرتا ہے تب زمین پر اس کے لئے ایک قبولیت پھیلائی جاتی ہے اور ہزاروں انسانوں کے دلوں میں ایک سچی محبت اس کی ڈال دی جاتی ہے اور ایک قوّتِ جذب اس کو عنایت ہوتی ہے اور ایک نُور اس کو دیا جاتا ہے جو ہمیشہ اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ جب ایک انسان سچے دل سے خدا سے محبت کرتا ہے اور تمام دنیا پر اس کو اختیار کر لیتا ہے اور غیر اللہ کی عظمت اور وجاہت اس کے دل میں باقی نہیں رہتی بلکہ سب کو ایک مرے ہوئے کیڑے سے بھی بدتر سمجھتا ہے تب خدا جو اس کے دل کو دیکھتا ہے ایک بھاری تجلّی کے ساتھ اُس پر نازل ہوتا ہے اور جس طرح ایک صاف آئینہ میں جو آفتاب کے مقابل پر رکھا گیا ہے آفتاب کا عکس ایسے طور پر پڑتا ہے کہ مجاز اور استعارہ کے رنگ میں کہہ سکتے ہیں کہ وہی آفتاب جو آسمان پر ہے اس آئینہ میں بھی موجود ہے۔ ایسا ہی خدا ایسے دل پر اترتا ہے اور اس کو اپنا عرش بنا لیتا ہے۔ یہی وہ امر ہے جس کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا ہے''۔

(حقیقۃ الوحی صفحہ 63-62)

فرمودات

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس
ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے بعض اخلاقی بیماریوں کو دُور کرنے کے بارہ میں احباب جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

''بعض لوگوں کو عادت ہوتی ہے کہ صرف مزا لینے کے لئے عادتاً ایک جگہ کی بات دوسری جگہ جا کر کر دیتے ہیں اور ان سے فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ مختلف قسم کی طبائع ہوتی ہیں، جس کے سامنے بات کی اور بات بھی اس کے متعلق کی تو قدرتی طور پر اس شخص کے دل میں اس دوسرے شخص کے بارہ میں غلط رنجش پیدا ہو گی جس کی طرف منسوب کر کے وہ بات کی جاتی ہے۔ اور وہ بات اسے پہنچائی گئی ہے تو یہ رنجش گو میرے نزدیک پیدا نہیں ہونی چاہئے۔ ایسے فتنوں کو روکنے کا بھی یہ طریقہ ہے کہ جس کی طرف منسوب کر کے بات پہنچائی گئی ہو اس کے پاس جا کر وضاحت کر دی جائے کہ آیا تم نے یہ باتیں کی ہیں یا نہیں، یہ بات میرے تک اس طرح پہنچی ہے۔ تو وہیں وضاحت ہو جائے گی اور پھر ایسے فتنہ پیدا کرنے والے لوگوں کی اصلاح بھی ہو جائے گی۔ تو بعض دفعہ اس طرح بھی ہوتا ہے کہ ایسے لوگ، فتنہ پیدا کرنے والے، خاندانوں کو خاندانوں سے لڑا دیتے ہیں۔ تو ایسے فتنہ کی باتوں سے خود بھی بچو اور فتنہ پیدا کرنے والوں سے بھی بچو۔ اور اگر ہو سکے تو ان کی اصلاح کی کوشش کرو۔

پھر شرّ ایک تو براہ راست لڑائی جھگڑوں سے، گالی گلوچ سے پیدا ہوتا ہے، اس سے فتنہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ تو (حضرت مسیح موعودؑ نے) فرمایا کہ اگر تمہیں میرے ساتھ تعلق ہے اور میری اطاعت کا دم بھرتے ہو تو میری تعلیم یہ ہے کہ ہر قسم کے فتنہ اور شرّ کی باتوں سے بچو۔ تم میں صبر اور وسعت حوصلہ اس قدر ہو کہ اگر تمہیں کوئی گالی بھی دے تو صبر کرو۔ پھر اس تعلیم پر عمل کرکے تمہارے لئے نجات کے راستے کھلیں گے۔ تم خدا تعالیٰ کے مقربین میں شامل ہو گے۔ کسی بھی معاملے میں مقابلہ بازی نہیں ہونی چاہئے۔ سچے ہو کر جھوٹوں کی طرح تذلل کرو۔ اور جو مرضی تمہیں کوئی کہہ دے تم محبت پیار اور خلوص سے پیش آؤ۔ ایسی پاک زبان بناؤ، ایسی میٹھی زبان ہو، اخلاق اس طرح تمہارے اندر سے ٹپک رہا ہو کہ لوگ تمہاری طرف کھنچے چلے آئیں۔ تو تمہارے ماحول میں یہ پتہ چلے، ہر ایک کو یہ پتہ چل جائے کہ یہ احمدی ہے۔ اس سے سوائے اعلیٰ اخلاق کے اور کسی چیز کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ تمہارے یہ اخلاق بھی دوسروں کو کھینچنے اور توجہ حاصل کرنے کا باعث بنیں گے۔''

(از خطبہ جمعہ۔ ارشاد فرمودہ 19/ستمبر 2003ء۔ بمقام مسجد فضل لندن، انگلستان)

سبق آموز......اور......ایک انتباہ!

(پروفیسر) محمد شریف خان۔ امریکہ

انسانی زندگی، لحہ لحہ رونما ہونے والے واقعات اور حادثات سے مرکب ہے۔ بالآخر یہی واقعات وحادثات تاریخ کو بنیاد فراہم کرتے ہیں اور لوگوں کے لئے سبق آموز اور راہنما ثابت ہوتے ہیں۔ داناؤں کے نزدیک کسی کے تجربات سے نصیحت پکڑنا عقلمندی کے زمرے میں آتا ہے۔ یعنی گڑھے میں گرے ہوئے کو دیکھ کر گڑھے میں نہ گرنا، اور راستہ بدل لینے میں ہی دانائی اور عافیت ہے۔

اب مَیں اپنے خاندان میں تقریباً سوا سو سال پہلے رونما ہونے والا ایک واقعہ بیان کر رہا ہوں جس کے نتیجہ میں ہمارے خاندان کی ایک شاخ آسٹریلیا میں قائم ہوگئی، لیکن ایک مسلمان کی نسل ہونے کے باوجود والدہ کے غیر مذہب ہونے کی وجہ سے اب یہ ساری شاخ عیسائی ہے۔ اور اسلام سے قطعاً بے بہرہ اور لاتعلق ہے یہاں تک کہ اُنہیں اپنے نانا کے متعلق یہ بھی معلوم نہیں کہ اُن کا مذہب کیا تھا!۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ سے ایک مجلس میں اہل کتاب اور غیر مذہب عورت سے شادی سے متعلق سوال ہوا تھا۔ آپ نے سوال کرنے والے سے پوچھا: "اگر بچے اپنی والدہ کے مذہب پر اور معاشرہ پر رہے تو کیا تم برداشت کرلوگے کہ وہ گرجا میں جائیں اور عیسائی معاشرہ کی طرح بود و باش اختیار کرلیں؟"

درج ذیل واقعہ حضورؒ کے جواب کی سچائی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

سترہویں صدی میں ہندوستان میں انگریزوں کی آمد نے جہاں ہندوستان میں طرزِ حکومت کو یکسر بدل ڈالا، وہاں انگریزی بود و باش میں آزادی دیکھ کر ہندوستانی نوجوانوں میں ہندوستان سے باہر نکلنے اور آزاد معاشرہ میں قدم رکھنے کی آرزو پیدا ہوئی۔ چنانچہ کئی نوجوان کسی نہ کسی طریق سے انگلستان اور دوسرے مغربی ممالک میں پہنچنے میں کامیاب ہوئے اور دیارِ غیر میں چھوٹا موٹا کام کرکے، محنت کے بل بوتے پر، آخر کار آہستہ آہستہ ترقی کرتے ہوئے اچھے بھلے کاروباری بن گئے۔ اور مغربی معاشرے میں عزت سے پہچانے جانے لگے۔

اغلباً 1890ء کا واقعہ ہے۔ میرے دادا عبدالحکیم صاحب کا خاندان لاہور میں آباد تھا۔ اُن کے والد محمد عظیم محکمہ انہار میں افسر تھے اور معاشرہ میں باعزّت جانے جاتے تھے۔ گھر میں رزق کی فراوانی تھی۔ عبدالحکیم میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد بیرونِ ملک جانے پر مُصر ہوئے۔ گھر والوں نے پہلے تو سمجھا بجھا کر، پھر ڈانٹ ڈپٹ کرکے آگے پڑھائی پر لگانا چاہا۔ مگر بے سود۔ باہر جانے کی ہٹ برقرار رہی۔ آخر تنگ آکر والدین نے عبدالحکیم کی شادی کردی۔ مگر یہ حربہ بھی کامیاب نہ ہوا اور ایک دن عبدالحکیم گھر سے غائب ہوگئے۔ جگہ جگہ ڈھونڈا گیا مگر کوئی سراغ نہ ملا۔ والدین صبر شکر کر بیٹھے۔ نئی نویلی دلہن محمد بی بی تھک ہار کر اپنے میکہ موضع چکسان (ضلع گوجرانوالہ) اپنے بھائی کے پاس چلی گئی۔ چند ماہ بعد اس کی گود ہری ہوئی۔ اللہ نے اسے ایک صحتمند بیٹے سے نوازا جس کا نام حبیب اللہ رکھا گیا۔ خاوند کی یاد کو کسی قدر بھول گئی اور بچے کے پالنے پوسنے میں جُت گئی۔

دوسال بعد اچانک محمد عظیم صاحب کو آسٹریلیا سے ایک خط موصول ہوا۔ جس میں عبدالحکیم نے آسٹریلیا پہنچنے اور اپنی خیریت کی اطلاع دی تھی۔ مگر اپنا پتہ درج نہیں کیا تھا کہ کہیں والدین اسے بازیاب نہ کرالیں۔ بہرحال اس اطلاع سے والدین کی جان میں جان آئی۔ اس طرح کی خیریت کی خبریں گاہ گاہِ ملتی رہیں۔ آخر کار ایک خط سے عبدالحکیم کا آسٹریلیا کا پتہ معلوم ہوا۔ وہ سڈنی شہر میں رہ رہا تھا جہاں اس کا کپڑے کا سٹور تھا۔ گھر والوں نے حال احوال کے علاوہ اس کے بیٹے حبیب اللہ کی پیدائش کی خبر دی، یہ سوچتے ہوئے کہ شاید بیٹے کی خبر پر واپس لوٹ آئے۔ مگر کہاں! اگلے خط سے پتہ چلا کہ عبدالحکیم نے ایک انگریز کیتھولک عورت مارگریٹ سے شادی کرلی ہے جس سے اس کی دو بیٹیاں ہیں اور اس کا اب واپس آنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ اس خبر سے والدین کو سخت رنج ہوا اور انہوں نے عبدالحکیم سے رہا سہا تعلق بھی توڑ لیا۔

ادھر حبیب اللہ گاؤں کے ماحول میں اپنی والدہ محترمہ محمد بی بی اور ماموں مکرم غلام محمد (جو گاؤں کی مسجد کے پیش امام تھے) کی نگرانی میں پلے بڑھے۔ قدرتی طور پر والد سے ملنے کا شوق تھا۔ پرائمری کے بعد مشن سکول ڈسکہ میں داخل ہوئے۔ اسکول کی انتظامیہ کو جب معلوم ہوا کہ حبیب اللہ کو والد سے ملنے کی شدید خواہش ہے تو انہوں نے والد سے ملنے کی خواہش پوری کرنے کی مشروط حامی بھرلی، کہ پہلے حبیب اللہ کو بپتسمہ لینا ہوگا، اور یہ تیار ہوگئے۔ اللہ نے بچانا تھا۔ کسی طور والدہ کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے فوراً آدمی بھیج کر حبیب اللہ کو گھر بلالیا۔ اس طرح اللہ نے اپنے فضل سے بدراہی کے پھندے سے بچا لیا۔ بعدازاں حبیب اللہ نے گوجرانوالہ سکول میں پڑھائی مکمل کی۔ فوج کی میڈیکل شاخ میں بھرتی ہوگئے۔ ڈاکٹری ٹریننگ حاصل کی اور فوجی ڈیوٹی پر افریقہ بھجوادیے گئے۔ وہاں اُنہیں احمدیت میں شامل ہونے کی توفیق ملی۔ پھر 33 سال کی ملازمت کے بعد 1948ء میں ریٹائرمنٹ لے کر وہ اپنی فیملی کے پاس اپنے گاؤں چکسان آگئے۔

اس دوران آسٹریلیا میں عبدالحکیم فیملی میں چار افراد کا اضافہ ہوچکا تھا، تین لڑکیاں اور ایک لڑکا یوسف۔ جیسے جیسے بچے بڑے ہوتے گئے، غیر مذہب عورت سے شادی کرنے کے بداثرات ظاہر ہونا شروع ہوئے۔ بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں میاں بیوی میں تکرار رہنے لگی۔ عبدالحکیم اپنی تمام خامیوں کے باوجود کٹّر مسلمان تھے۔ سڈنی میں تعمیر ہونے والی مسجد میں باقاعدہ چندہ دیتے۔ باجماعت نمازوں اور دوسرے اجتماعات میں شامل ہوتے۔ یہ بچوں کو نماز اور مسجد کی طرف کھینچتے اور مارگریٹ گرجا کی طرف۔

بچیاں جوان ہوئیں تو ماں کی شہ پر والد کے سامنے ڈیٹ پر جاتیں۔ رفتہ رفتہ والد کو غیر مذہب میں شادی کرنے کے نقصانات کا شدید احساس ہونے لگا۔ گھر میں دن رات کی تو تکار آخر عدالت تک پہنچی۔ اس دوران مارگریٹ کے والدین کے ہاتھ ہندوستان سے عبدالحکیم کے نام آیا ہوا ایک خط لگا۔ کسی اردودان سے پڑھانے پر عبدالحکیم کی ہندوستان میں پہلی شادی کا انکشاف ہوا، جس نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ کیتھولک ہونے کے باعث میاں بیوی میں طلاق پر بات ٹھہری۔

باقی صفحہ 24 پر ملاحظہ فرمائیں

اصحابِ احمدؑ کا عشق قرآن

"احمدیوں اور غیر احمدیوں میں مابہ الامتیاز فہم قرآن کریم ہے۔" (حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

(میر انجم پرویز۔ مربی سلسلہ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام احیاء اسلام اور تجدید دین کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ تجدید دین اور احیائے اسلام قرآن کریم کو عملی طور پر زندگیوں کا حصہ بنائے بغیر ممکن نہیں۔ قرآن کریم میں آنحضرت ﷺ کی زبانی یہ پیشگوئی بیان کی گئی ہے کہ ایک وقت میں مسلمان قرآن کریم کو مہجور کی طرح چھوڑ دیں گے اور ان کی عملی زندگی سے قرآن کریم محو ہو جائے گا۔ نیز احادیث نبویہ میں بھی مذکور ہے کہ ایک وقت آئے گا جب اسلام صرف نام کا رہ جائے گا اور قرآن رسمی طور پر باقی رہ جائے گا۔ لکھا ہوا تو موجود ہو گا لیکن اس پر عمل باقی نہیں رہے گا۔ آج مسلمان اسی وجہ سے پستی اور ظلمت کا شکار ہیں کہ انہوں نے قرآن کریم سے عملاً ناطہ توڑ لیا ہے اور قرآن کریم اور اس کے احکام کی عظمت دلوں سے اٹھ گئی ہے۔ اس حال میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن کریم کی عظمت کو دلوں میں دوبارہ قائم فرمایا اور اپنے اصحاب میں قرآن کریم سے عشق اور دلی لگاؤ پیدا فرما دیا۔ چنانچہ اصحابِ احمدؑ نے قرآن کریم سے ایسی محبت کی کہ اوّلین کے نمونوں کو زندہ کر دیا۔

قرآں کتابِ رحماں، سکھلائے راہِ عرفاں
جو اس کے پڑھنے والے ان پر خدا کے فیضاں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فرزند ارجمند حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے جب ساڑھے آٹھ سال کی عمر میں قرآن کریم ناظرہ ختم کیا تو آپ نے اس قدر خوشی منائی کہ باقاعدہ ایک تقریب کا اہتمام فرمایا جس میں قادیان اور باہر سے بھی اصحاب شامل ہوئے اور ایک پُر تکلّف دعوت کی گئی۔ اس موقع پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک نظم بھی تحریر فرمائی جو اس تقریب میں خوش الحانی کے ساتھ پڑھی گئی۔ اس قدر اہتمام اور خوشی کے اظہار کا کیا مقصد تھا؟ یہی کہ بچے کو یہ احساس ہو کہ اس نے بڑا عظیم کام کیا ہے اور قرآن کریم پڑھنا بہت بڑا اور غیر معمولی اہمیت کا کام ہے۔ نیز شاملین کے دل میں قرآنِ کریم کی عظمت و محبت جاگزیں ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس ننھے سے بچے کے دل میں بچپن سے قرآن کریم کی محبت وعظمت گھر کر گئی اور بڑے ہو کر اس نے بفضل اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے ایسے علوم بیان کیے جو رہتی دنیا تک دلوں کو روشنی بخشتے رہیں گے۔

قرآن کریم سے عشق کی بات ہو تو اصحاب احمدؑ میں حضرت حکیم مولوی نورالدین رضی اللہ عنہ کا نام سب سے نمایاں نظر آتا ہے۔ آپؓ نے اپنی زندگی قرآنی علوم حاصل کرنے کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ پھر جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کو قادیان بلا لیا تو اس کے بعد سے لے کر وفات تک آپ قرآن کریم کے درس و تدریس میں مصروف رہے۔ آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ خدا تعالیٰ مجھے بہشت اور حشر میں نعمتیں دے تو میں سب سے پہلے قرآن شریف مانگوں گا تاکہ حشر کے میدان میں بھی اور بہشت میں بھی قرآن شریف پڑھوں، پڑھاؤں اور سنوں۔ (تذکرۃ المہدی)

نیز فرمایا: قرآن میری غذا، میری تسلی اور اطمینان کا سچا ذریعہ ہے اور میں جب تک اس کو کئی بار مختلف رنگ میں پڑھ نہیں لیتا، مجھے آرام اور چین نہیں آتا۔

(ترجمۃ القرآن شیخ یعقوب علی عرفانی صاحبؓ)

آپؓ کے عشق قرآن کی گواہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی دی۔ فرمایا: میں نے کسی کے دل میں اس طرح قرآن کریم کی محبت نہیں پائی جس طرح آپؓ کا دل فرقانِ حمید کی محبت سے لبریز ہے۔ (اردو ترجمہ از عربی۔ آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ 586)

اصحابِ احمدؑ باقاعدگی کے ساتھ تلاوت قرآن کریم کیا کرتے تھے، بلکہ بعض تو ایک ہفتے میں قرآن کریم کا دور مکمل کر لیا کرتے تھے۔ حضرت منشی امام الدین رضی اللہ عنہ پٹواری کے بارے میں روایت ہے کہ آپ قرآن مجید کی تلاوت ہمیشہ باقاعدگی کے ساتھ کرتے تھے مگر قادیان میں مقیم ہو جانے کے بعد کثرتِ تلاوت کی وجہ سے بسا اوقات چھٹے ساتویں روز قرآن کریم کا ایک دَور ختم کر لیتے تھے۔ قرآن مجید سے آپ کی محبت اس امر سے ظاہر ہے کہ آخری بیماری میں جب آپ خود تلاوت نہ کر سکتے تھے اور بالکل کمزور ہو گئے تھے تو اپنے نواسے حافظ ڈاکٹر مسعود احمد صاحب سے قرآن مجید سنا کرتے تھے۔ (اصحاب احمد جلد 1)

حضرت چودھری برکت علی خانصاحب گڑھ شنکری جس مکان میں رہتے تھے اس کی چھت پر نماز تہجد پڑھتے اور پھر نماز فجر کے بعد نہایت بلند آواز سے بلاناغہ قرآن کریم کی منزل پڑھتے، ان کی آواز بہت دُور تک پہنچتی تھی۔ (اصحاب احمد جلد 7)

حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحبؓ کے والد حضرت رحیم بخش صاحب تہجد اور نماز باجماعت کے بہت پابند تھے۔ تہجد کے بعد قرآن مجید کی بھی باقاعدگی سے تلاوت کرتے تھے۔ (اصحاب احمد جلد 8)

حضرت عبدالکریم صاحبؓ حیدرآبادی جن کو زمانہ طالبعلمی میں ایک دیوانے کتے نے کاٹ لیا تھا اور طبیبوں نے بھی کہہ دیا تھا کہ اب ان کا بچنا محال ہے، تب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو معجزانہ طور پر شفا عطا فرمائی تھی۔ آپؓ کے بارہ میں روایت ہے کہ زمانہ طالب علمی میں آپ اکثر قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہتے تھے۔ شاید یہ عشقِ قرآن ہی کی برکت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ اعزاز بخشا کہ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا ایک زندہ نشان بن کر زندگی بسر کی۔ (اصحاب احمد جلد 1)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن کریم سے وابستگی نہ رکھنے والوں کو بہت انذار فرمایا ہے۔ حضرت قاضی عبدالرحیم صاحب روایت کرتے ہیں کہ میرے والد صاحب (حضرت قاضی ضیاء الدین صاحب) مرحوم و مغفور نے ایک دن صبح کے وقت مجھے تلاوتِ قرآن کریم میں باقاعدگی کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا کہ آج حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خاص طور پر اس امر پر زور دیا ہے کہ آنے والی

تباہی میں ان لوگوں کو میں دین و دنیا کے لحاظ سے سخت تباہی میں دیکھتا ہوں جو قرآن کریم سے وابستگی اوراس کی تلاوت کے التزام سے غافل ہیں۔صرف وہی لوگ بچائے جائیں گے جو قرآن کریم سے وابستگی رکھتے ہوں گے۔ یہی اس مصیبت سے بچنے کا ذریعہ ہے۔(اصحاب احمد جلد6)

صحابہؓ قرآن کریم کو دلی محبت اور سوز کے ساتھ پڑھتے تھے جو اُن کی قرآن کریم سے محبت پر دلالت کرتا ہے۔حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ سیالکوٹی نماز پڑھایا کرتے تھے۔اُن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم سے ایک عشق عطا فرمایا تھا اورنہایت خوش الحانی اور جوش سے قرآن پڑھا کرتے تھے۔آواز نہایت بلند مگر دلکش تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی آواز میں لحن داؤدی کی جھلک پیدا کر رکھی تھی۔ نیز وہ ان آیات ومضامین کے ربط اور حقائق سے متأثر ہوکر جس رقت،سوز اور جوش سے تلاوت فرماتے ،آپ کا وہ پڑھنا آپ کی قلبی کیفیات اور لذّت وسرور کے ساتھ مل کر سامعین کو متأثر کیے بغیر نہ رہتا تھا۔(اصحاب احمد جلد9)

حضرت مولوی محمد عمر صاحب مالا باریؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت مولوی عبدالکریم سیالکوٹی صاحبؓ صحیح معنوں میں عاشقِ قرآن تھے جس کی ہر آیت سے آپ کو بے انتہا اُنس تھا۔آپ کی خواہش پر نصف سال سے روزانہ بعد نماز فجر آپ کو قرآن پاک سناتا تھا، کیونکہ آپ نظر کی کمزوری کی وجہ سے خود تلاوتِ قرآن نہیں کرسکتے تھے۔ فجر کی نماز سے فارغ ہوکر قرآن کریم اپنے سینہ پر رکھ کر لیٹ جاتے اور میرا انتظار فرمایا کرتے تھے۔کوئی دن ایسا نہیں گزرا کہ تلاوت کے وقت آپ پر رقّت طاری نہ ہوتی ہو۔ تلاوت کیا تھی وہاں پر ایک روحانی سماں بندھ جاتا تھا۔ خشیت ومحبتِ الٰہی سے بعض اوقات آپ بے اختیار رو پڑتے۔ ہدایت یافتہ لوگوں اور ان پر خدا کی رحمت ونعمت کا ذکر آنے پر کئی دفعہ کہہ اُٹھتے کہ اللّٰھم اجعلنا منھم۔ اللّٰھم اجعلنا منھم (اے اللہ! ہمیں ان میں سے بنانا) اسی طرح جب مغضوب علیھم اور ان پر خدا تعالیٰ کے قہر وغضب کا ذکر آتا تو آپ بے قرار ہوکر استغفار پڑھنے لگتے اور ساتھ ہی نہایت تذلّل اور انکسار سے دعا کرتے کہ اللّٰھم لا تجعلنا منھم۔ اللّٰھم لاتجعلنا منھم (اے اللہ! ہمیں ان میں سے نہ بنانا)۔ تلاوت قرآن کے بعد جزاکم اللّٰہ احسن الجزاء فی الدارین خیرًا کہتے ہوئے میرے لئے بہت دیر تک دعا فرماتے رہتے۔کئی دفعہ فرمایا کہ میرے پیارے بچے! آپ روزانہ میرے کانوں میں خدا تعالیٰ کی آواز پہنچاتے ہو، اس وجہ سے آپ کے لئے جو دعائیں نکلتی ہیں، وہ میرے دل کی گہرائیوں سے نکلتی ہیں۔کوئی رسمی دعائیں نہیں۔ آپؓ صرف میرے لئے ہی نہیں بلکہ میرے والدین اور اساتذہ کے لئے بھی دعا فرماتے۔آپؓ کی وفات کے بعد محترمہ اماّں جی نے یہ قرآن کریم خاکسار کو بطور تبرّک عطا فرمادیا۔(اصحاب احمد جلد9)

عام طور پر رؤساء قرآن کریم کی تعلیم سے اپنے آپ کو بالا اور بے نیاز سمجھتے تھے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متموّل صحابہ بھی آپؑ کی تاثیر قدسی سے عشقِ قرآن میں ڈوبے ہوئے تھے۔ حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ رئیس مالیر کوٹلہ کے بارہ میں حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ فرماتی ہیں کہ نواب صاحبؓ صبح کی نماز سے قبل قرآن مجید کی تلاوت کرتے اور فرمایا کرتے تھے کہ قرآن مجید ایک سمندر ہے، جو کوئی بھی اس بحر میں غوطہ زنی کرے خالی ہاتھ نہ لوٹے گا، بلکہ کچھ نہ کچھ حاصل کرلے گا۔آپ تلاوت کثرت سے کرتے اور بعض نکات کے معلوم ہونے پر ان کے متعلق علماء سلسلہ سے تبادلہ خیالات کرتے۔آپؓ تلاوت پابندی سے کرتے تھے اور ماہ رمضان مبارک میں اس میں اورزیادتی ہوجاتی تھی۔قرآن کریم کی تلاوت آپ کی غذا تھی۔قرآن مجید سے عشق ہی تھا کہ آپؓ نے حضرت اقدسؑ کی وساطت سے حضرت مولوی نورالدین صاحب (خلیفۃ المسیح الاوّلؓ) کو اپنے ہاں مالیرکوٹلہ بلوایا۔قریبًا سال بھر مع اہل وعیال وشاگردان ہر قسم کا خرچ برداشت کر کے تفسیر پڑھی اور دوسری بار پھر ڈیڑھ ماہ کے قریب آپؓ کو رکھا۔ بعدازاں بھی ہمیشہ خواہش رہی کہ حضرت مولوی صاحبؓ وہاں پھر تشریف لائیں۔ یہ قرآن مجید کے عشق کا جذبہ ہی تھا جو کارفرما تھا۔تلاوت قرآن مجید کی کثرت کے باعث قریبًا تمام قرآنی دعائیں آپؓ کو یاد تھیں۔(اصحاب احمد جلد2)

عام ماحول میں پائی جانے والی غفلت اور بے دینی کی وجہ سے یا کم علمی اور جہالت کے غلبہ کی وجہ سے بعض گھروں میں مسلمان ہونے کے باوجود بچوں کو قرآن کریم ناظرہ تک نہیں سکھایا جاتا۔اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت میں عمومًا بچپن ہی سے قرآن کریم ناظرہ اور پھر ترجمہ سکھایا جاتا ہے اورتعلیم القرآن کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے اورسپیشل کلاسوں کا انعقاد بھی کیا جاتا ہے۔تاہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے میں جو صحابہ آپ پر ایمان لائے ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جنہوں نے بچپن میں قرآن کریم ناظرہ بھی نہیں پڑھا تھا،لیکن بعد میں قرآن کریم کا ایسا عشق پیدا ہوا کہ ہروقت قرآن کریم اپنے پاس رکھتے اور بڑی تکلیفیں اٹھا کر قرآن کریم کے معارف سننے کے لئے حاضر ہوتے۔ ایسے ہی صحابہ میں سے ایک حضرت ملک مولیٰ بخش صاحبؓ تھے جو ماحول کے زیر اثر بچپن میں قرآن کریم ناظرہ بھی نہیں پڑھ سکے تھے۔کسی شخص کی تحریک پر ناظرہ سیکھا۔پھر خود ہی ترجمہ پڑھا۔بعد میں احمدیوں کی مسجد میں، جہاں حضرت حافظ احمد اللہ صاحبؓ نے قرآن کریم کا درس دینا شروع کیا،اس میں شامل ہوتے رہے جس سے آپؓ بہت متأثر ہوئے اور کہا کہ احمدی قرآن کریم کا ترجمہ اورتفسیر زیادہ معقولیت کے رنگ میں پیش کرتے ہیں۔احمدی ہونے کے بعد تو آپؓ کوقرآن کریم سے خاص عشق پیدا ہوگیا، یہاں تک کہ آپ قرآنی معارف وحقائق سننے کے لئے باوجود بیماری و کمزوری کے تعہد کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ کئی ماہ تک موسم سرما میں صبح کی نماز محلّہ دارالفضل سے آکر دارالرحمت میں اس لئے ادا کرتے رہے تا کہ حضرت مولانا غلام رسول صاحبؓ راجیکی کے درس میں شریک ہوکران کے حقائق ومعارف سے فیضیاب ہوں۔ رمضان المبارک میں جو درس مسجد اقصیٰ میں ہوتا اس میں بھی التزام کے ساتھ شریک ہوتے۔

حضرت ملک مولیٰ بخش صاحبؓ کی صاحبزادی آمنہ بیگم صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ ملک صاحبؓ بیان کیا کرتے تھے کہ بعض اعتراضات کے جواب فوری طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے دل میں ڈالے جاتے ہیں،جن کا معترض پر بڑا اچھا اثر ہوتا ہے۔قرآن کریم کثرت سے پڑھتے اور غور سے پڑھتے۔ جہاں خود فائدہ اُٹھاتے وہاں دوسروں کو بھی شامل کرتے۔عمر کے آخری حصہ میں دن میں کئی بار جب بھی دیکھو قرآن شریف پڑھ رہے ہوتے۔اور کاپی اور قلم پاس رکھتے، جب کسی آیت کی لطیف تفسیر سمجھ میں آتی اس کو نوٹ کرتے اور بعد میں اپنے اہل وعیال کو سناتے اور نصیحت فرماتے کہ قرآن شریف کو ہمیشہ غور اور تدبر سے پڑھو اور بار بار پڑھو اور سوچو تو معلوم ہوگا کہ واقعی قرآن کریم ہدایت کی مفصل اور مکمل کتاب

ہے۔اس وقت ان کے چہرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ کی دلی خواہش ہے کہ آپؓ کی اولاد قرآن کریم کی عاشق ہو۔(اصحاب احمد جلد 1)

یہ وہ انقلاب تھا جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے صحابہ میں پیدا کر دیا تھا۔کہاں یہ حال تھا کہ ناظرہ بھی نہیں پڑھا اور اب یہ حال ہے کہ بکثرت اور بغور قرآن کریم کا مطالعہ کرتے اور اس پر عمل کرتے ہیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کے دل میں قرآن معارف ڈالتا ہے۔

حضرت حاجی غلام احمد صاحبؓ نے بیان فرمایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی توجہ اور دعاؤں سے مجھ پر قرآن مجید کے علوم کثرت سے کھلے ہیں، جب کسی حصہ کو پڑھتا ہوں اس کے معانی اور معارف کھل جاتے ہیں۔(اصحاب احمد جلد 10)

بعض دفعہ تعلیم قرآن کریم کے حصول میں ایک روک ناخواندگی ہوتی ہے، لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ نے قرآن کریم سیکھنے کی راہ میں حائل ہر مشکل کو زیر کیا اور بعض نے باوجود ناخواندہ ہونے کے قرآن کریم پڑھنا سیکھا اور نہ صرف یہ کہ خود پڑھنا سیکھا بلکہ دوسروں کو سکھانے کا اہتمام بھی کیا اور اس کے لئے بڑی مالی قربانی بھی کی۔ایسے صحابہ میں حضرت سیٹھ شیخ حسن صاحبؓ آف یادگیر (ریاست حیدرآباد دکن) کا نام بہت نمایاں ہے۔آپؓ کے والدین بہت غریب تھے اور بڑی مشکل سے گزر بسر کرتے تھے۔چنانچہ آپ تعلیم بھی حاصل نہ کر سکے، لیکن قبولِ احمدیت کے بعد آپ نے خود قرآن کریم پڑھا۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو مالی فراخی بھی عطا فرمائی تھی جس کا خاطر خواہ حصہ خدمتِ قرآن میں خرچ کیا۔آپ کی قرآن مجید سے محبت اور اس کی اشاعت کے بارہ میں روایت ہے کہ ابتدائے قبولِ احمدیت میں آپ نے آنحضرت ﷺ کو مسجد احمدیہ یادگیر کے چبوترہ پر بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت فرماتے دیکھا۔آپ ادب سے کھڑے تلاوت سنتے رہے۔تلاوت کے بعد آنحضرت ﷺ نے ایک درخت کی طرف اشارہ کیا، جہاں ہزاروں قرآن مجید جزدانوں میں پڑے درخت پر جا بجا لٹک رہے ہیں۔اس رؤیا میں آپ کو قرآن مجید کی بار بار تلاوت اور اس کی اشاعت کی ہدایت ہوئی۔چنانچہ سیٹھ صاحبؓ نے خود قرآن مجید پڑھا۔یادگیر میں مدرسہ احمدیہ کے ساتھ اک مدرسہ حفظ قرآن جاری کیا۔قرآن مجید حفظ کرنے والے بچوں کے لئے انعام واکرام اور لباس وطعام کا آپ کی طرف سے انتظام تھا۔دوسرے لوگوں کی ترغیب کیلئے آپ سارا قرآن ختم کرنے والے کو ایک سو روپیہ، نصف ختم کرنے والے کو ساڑھے پچاس روپے اور چوتھائی ختم کرنے والے کو سوا پچیس روپے انعام دیتے تھے۔اس طرح لوگ جہاں قرآن مجید پڑھنا سیکھ لیتے وہاں وقتی امداد سے بھی فائدہ اٹھا لیتے تھے۔آپ نے ہزاروں روپے کے قرآن مجید بھی مفت تقسیم کئے۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی تحریک تراجم القرآن میں بھی پانچ ہزار روپیہ دیا۔(اصحاب احمد جلد 1)

آج بھی ایسا ہوتا ہے کہ بعض لوگ اپنے بچوں کی سکول کی تعلیم پر اس قدر زور دیتے ہیں کہ اس کی وجہ سے قرآن کریم کی تعلیم سے غفلت ہو جاتی ہے۔یا بعض دفعہ بہت بچپن میں قرآن کریم ناظرہ پڑھا کر یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ اب مزید قرآن پڑھنے کی ضرورت نہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچے بچپن کا پڑھا ہوا قرآن کریم بھی بھول جاتے ہیں۔آیئے دیکھتے ہیں کہ ہمیں اس سلسلے میں اصحاب احمد سے کیا سبق ملتا ہے۔حضرت مرزا ایوب بیگ صاحب کے بارے میں ذکر ملتا ہے ان کو مدارس کی ایک پُرغفلت زندگی اور مروجہ تعلیم انگریزی وغیرہ میں ہمہ تن مصروفیت کے سبب بچپن کا پڑھا ہوا قرآن مجید ناظرہ بھول چکا تھا۔جب انہوں نے زمانۂ طالبعلمی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھا اور آپ کی پاک تعلیم اور اعلیٰ نمونہ کا مشاہدہ کیا تو آپ کے دل میں کلام الٰہی سننے اور پڑھنے سے ایک خاص قسم کا دلی لگاؤ اور عشق پیدا ہو گیا۔چنانچہ آپ نے حضرت مولوی رحیم اللہ صاحبؓ لاہوری سے دوبارہ قرآن کریم شروع کرکے ایک سال میں باترجمہ پڑھ لیا۔پھر جن دنوں حضرت خلیفۃ المسیح الاول جموں میں ملازم تھے اور اکثر لاہور آیا کرتے تھے جہاں قرآن مجید کے معارف سمجھانے میں دن رات مصروف رہتے، ان دنوں حضرت مرزا ایوب بیگ صاحب بھی پڑھائی سے فارغ ہو کر اکثر اوقات آپؓ کی خدمت میں گزارتے۔رات کو وعظ قرآن مجید سُن کر اپنے مکان پر چلے جاتے۔پھر قادیان میں بیگ صاحبؓ حضرت مولوی نورالدین صاحب کے درس قرآن میں شامل ہوتے تھے۔اس طرح آپؓ نے قریباً سارے قرآن مجید کی تفسیر پر عبور حاصل کر لیا تھا۔یہ وہ غیر معمولی تبدیلی تھی جو آپ نے احمدیت کے فیض سے اپنے اندر پیدا کی۔ایک وقت تھا کہ آپ قرآن بالکل بھول چکے تھے اور اب آپ کا دل نور قرآن سے منور ہو چکا تھا۔آپ کے عشق قرآن کے بارے میں مزید ذکر ملتا ہے کہ: حضرت مرزا ایوب بیگ صاحب رقت سے قرآن مجید پڑھتے۔مومنین کے ذکر پر عجز سے دعا کرتے کہ ان جیسے اعمال کی توفیق ملے اور کفار ومنافقین کے ذکر پر عجز سے دعا کرتے کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے نہ بنائے۔سجدہ میں آدھ آدھ گھنٹہ دعا کرتے۔قرآن مجید کے احکام پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قرآن مجید سے نشان لگائے ہوئے تھے کہ جنہیں تلاوت کے وقت بالخصوص مدنظر رکھنا چاہئے۔بعض دفعہ کوئی آیت لکھ کر اپنے رہنے کی جگہ پر لٹکا دیتے تا وہ ہمیشہ پیش نظر رہے۔رمضان مبارک میں ایک بار قرآن مجید ضرور ختم کرتے اور آخری عمر میں حفظ کرنا بھی شروع کیا تھا اور کچھ حصہ حفظ بھی کر لیا تھا۔(اصحاب احمد جلد 1)

صحابہ اپنے بچوں کو قرآن کریم سکھانے کا بھی خاص اہتمام فرمایا کرتے تھے۔حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ رئیس مالیر کوٹلہ جب قادیان شفٹ ہو گئے تو یہاں اپنے بچوں کو قرآن کریم سکھانے کا خاص اہتمام فرمایا۔حضرت پیر منظور محمد صاحبؓ کو کافی مشاہرہ پر رکھا جنہوں نے آپ کے چاروں بچوں کو قاعدہ یسرنا القرآن اور بعد میں قرآن مجید ناظرہ پڑھایا۔اسی سلسلہ میں حضرت نواب صاحبؓ نے ان کو مکان بھی بنوا کر دیا تھا۔حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ نے قرآن مجید باترجمہ پڑھایا، بلکہ حضرت نواب صاحبؓ کی ایما پر چند پارے حفظ بھی کروائے۔آپ نے اپنے صاحبزادگان کی ختمِ قرآن کی تقریب بھی کروائی، جو تقریبِ آمین کے نام سے معروف ہے۔اس موقع پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اجتماعی دعا کروائی اور بچوں کے استاد حضرت صاحبزادہ پیر منظور محمد صاحب کو سروپا حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے تبرک کروا کر دیا۔اسی تقریبِ آمین کی خوشی میں تین دن تک بتدریج دعوت کا سلسلہ عالی جناب نواب صاحبؓ کی طرف سے رہا اور بتدریج احباب ایک ایک وقت کا کھانا تناول فرماتے رہے۔(اصحاب احمد جلد 2)

بچوں کے قرآن کریم ختم کرنے پر آمین کی تقریب کا تو ہر احمدی کو علم ہے، لیکن اس کے علاوہ جب قرآن کریم سیکھنا شروع کیا جاتا بعض صحابہ بسم اللہ بھی کروایا کرتے تھے، جس میں کسی بزرگ سے قاعدہ شروع کروایا جاتا اور حسبِ حالات شیرینی وغیرہ تقسیم کی جاتی۔چنانچہ روایت ہے کہ حضرت حاجی غلام احمد

صاحب نے حضورؒ کی خدمت میں درخواست کی کہ ہمیں ازراہِ شفقت وقت دیں تا میں اپنے لڑکے ظہورالدین کی بسم اللہ کرا سکوں۔ حضورؒ کی طرف سے جواب ملا کہ میں خود چار بجے شام ہسپتال آرہا ہوں۔ اس موقع پر بسم اللہ کرا دوں گا۔ چنانچہ حضورؒ تشریف لائے اور اس کمرہ میں آ گئے جس میں حاجی صاحبؓ ٹھہرے ہوئے تھے اور چوہدری ظہورالدین صاحبؓ کی بسم اللہ کرائی اور قاعدہ یسرنا القرآن شروع کرایا۔ بعدہٗ شیرینی تقسیم کی گئی۔ (اصحاب احمد جلد 10)

صحابہ بچوں میں قرآن کریم کا شوق اور محبت پیدا کرنے کے لئے ان کی حوصلہ افزائی بھی فرمایا کرتے تھے۔ ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کے والد حضرت رحیم بخش صاحب ایک بار ناظرہ اور ایک بار باترجمہ اور قرآن کریم کے ختم کرنے پر اکثر اپنے بچوں میں کچھ مٹھائی بھی تقسیم کرتے تھے۔ (اصحاب احمد جلد 8)

حضرت حاجی غلام احمد صاحب کے بارہ میں ذکر ملتا ہے کہ ان کے والد صاحب فوت ہوگئے لیکن اس کے باوجود انہوں نے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنا ترک نہ کیا۔ چنانچہ حضرت حاجی غلام احمد صاحبؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد صاحب کی وفات کے بعد حافظ کریم بخش صاحب سے قرآن پڑھنا شروع کیا۔ میں ان کے پاس روزانہ قرآن کریم پڑھنے جایا کرتا تھا۔ (اصحاب احمد جلد 10)

حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ اپنے والد گرامی حضرت چودھری نصراللہ خاں صاحب کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: قرآن کریم کے ساتھ آپؓ کو بہت محبت تھی۔ عشاء کی نماز کے بعد سونے تک اکثر قرآن کریم کی تلاوت میں گزارتے تھے۔ میرے انٹرنس کے امتحان میں چھ ماہ کے قریب باقی تھے کہ ایک دن آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا: قرآن مجید کا ترجمہ کتنا پڑھ لیا ہے؟ ان دنوں مَیں مکرمی جناب مولوی فیض الدین صاحبؓ سے قرآن کریم کا ترجمہ پڑھا کرتا تھا۔ میں نے جواب دیا: ساڑھے سات سپارے پڑھے ہیں فرمایا: تمہارا امتحان قریب آرہا ہے۔ جب تم کالج چلے جاؤ گے تو ان امور کی طرف توجہ کم ہو جائے گی۔ میں چاہتا ہوں کہ امتحان سے پہلے قرآن کریم کا ترجمہ تم ختم کرلو۔ اس لئے بجائے مسجد میں جا کر پڑھنے کے مجھ سے ہی پڑھ لیا کرو۔ اس طرح باقاعدگی سے پڑھ سکو گے اور جلد ختم کرسکو گے۔ چنانچہ اس کے بعد میں دن کے وقت میں دو تین رکوع کا ترجمہ دیکھ چھوڑتا تھا اور عشاء کے بعد والد صاحب کو سنا دیا کرتا تھا۔ اس طرح کالج میں داخل ہونے سے پہلے آپ نے مجھے قرآن کریم کا سادہ ترجمہ ختم کرا دیا۔

فَجَزَاہُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَاء۔ (اصحاب احمد جلد 11)

صحابہ بچوں سے قرآن کریم پڑھنے کو بھی عار نہ سمجھتے تھے۔ حضرت رحیم بخش صاحبؓ کی اہلیہ محترمہ بشیراں صاحبہؓ نے آخری عمر میں اپنے بچوں سے قرآن شریف پڑھنا شروع کیا اور وفات تک کچھ پارے پڑھ لئے تھے۔ (اصحاب احمد جلد 8)

حضرت ماسٹر فقیر اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ انہوں نے بچپن میں قرآن کریم نہایت اعلیٰ قاری حافظوں سے پڑھا۔ قرآن شریف ختم کرنے کے بعد تقریباً آٹھ سال کی عمر میں مشن سکول میں داخل کیا گیا۔ آپ رقم فرماتے ہیں کہ اسی اثنا میں کسی نے مجھے حضرت مولانا غلام حسن خان صاحبؓ کے متعلق بتایا۔ میں نے مولانا صاحب سے قرآن مجید کا ترجمہ پڑھنا شروع کردیا۔ مولانا صاحب سے یہ درس کا سلسلہ میرے آٹھویں جماعت میں پڑھنے کے زمانہ سے انٹرنس کا امتحان دینے تک تقریباً دو سال یعنی جب تک میں پشاور میں رہا، جاری رہا۔ (اصحاب احمد جلد 10)

صحابہ ایک دوسرے کو قرآن کریم سکھایا بھی کرتے تھے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ۔ (یوسف:77) یعنی ہر علم رکھنے والے سے برتر ایک صاحبِ علم ہے۔ اس ارشادِ الٰہی کے پیش نظر جو زیادہ صاحبِ علم صحابہ تھے وہ دوسرے صحابہ کو قرآن کریم پڑھایا کرتے تھے، اس کی بہت سی مثالیں اصحاب احمدؑ کی زندگی میں پائی جاتی ہیں۔ بعض دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود بھی ایک صحابی کو دوسرے صحابی سے قرآن کریم پڑھنے اور سیکھنے کا ارشاد فرمایا کرتے ہیں، تا کہ سارا احمدی معاشرہ نورِ قرآن سے منور ہو جائے۔ اہلیہ حضرت قاضی عبدالرحیم صاحب بیان کرتی تھیں کہ حضرت ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشاد پر قرآن شریف (ترجمہ کے ساتھ) حضرت قاضی ضیاء الدین صاحبؓ سے پڑھنا شروع کیا تھا۔ (اصحاب احمد جلد 6)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحابیات نے بھی قرآن کریم کی محبت اور عشق کا اعلیٰ نمونہ دکھایا۔ خدمتِ قرآن میں صحابیات نے بھی اپنا کردار ادا کیا اور نورِ فرقان کو پھیلانے میں کوشاں رہیں۔ حضرت منشی امام الدین پٹواری صاحبؓ کی اہلیہ حضرت کریم بی بی صاحبہؓ بنت میاں امام الدین صاحب نے اپنے گھر میں ایک چھوٹا سا مدرسہ بھی جاری کر رکھا تھا۔ گاؤں کے چھوٹے بچے اور بعض مستورات بھی قرآن مجید پڑھنے کے لئے آتیں۔ پہلے انہیں قاعدہ اور پھر قرآن مجید پڑھایا جاتا۔ یہ قاعدے اور قرآن مجید حضرت منشی امام الدین پٹواری صاحب کی طرف سے بلاقیمت مہیا کیے جاتے، لیکن جب کوئی قرآن مجید ختم کرتا، تو اُسے تاکید کی جاتی کہ قادیان سے قیمتاً قرآن مجید منگوا کر گھر میں رکھو اور پڑھتے رہو۔ (اصحاب احمد جلد 1)

محترمہ رحیم النساء صاحبہ ہمشیرہ حضرت رحیم بخش صاحبؓ نے سینکڑوں لڑکیوں کو قرآن کریم پڑھایا۔ (اصحاب احمد جلد 8)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول مسجد اقصیٰ قادیان میں نماز عصر کے بعد درس قرآن دیا کرتے تھے۔ یہ پبلک درس تھا، اس کے علاوہ ایک درس آپ اپنے کچے مکان کے صحن میں نماز مغرب کے بعد بھی دیا کرتے تھے۔ محترم غلام فرید صاحب ایم اے مترجم قرآن مجید انگریزی تحریر کرتے ہیں کہ میں بھی اس درس میں شامل ہوا کرتا تھا۔ میں نے ایک دن حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب اور حضرت نواب عبدالرحیم خان صاحب خالد کو بھی درس میں شامل ہونے کی تحریک کی۔ حضرت نواب محمد علی خان صاحب نے، جو شام کے بعد بچوں کو گھر سے نکلنے کی اجازت دینے کا خیال بھی نہیں کر سکتے تھے، مجھ پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے ان دونوں صاحبزادوں کو اس شام کے درس میں شامل ہونے کی اجازت دے دی۔ انہی دنوں درس کی اس مجلس میں ایک عجیب و غریب واقعہ ہوا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ کے تعلق باللہ کے کچھ واقعات سنا رہے تھے۔ ان واقعات میں حضور نے یہ ذکر بھی فرمایا کہ ایک دن مجلس میں بیٹھے ہوئے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کو الہام ہوا کہ تم حاضرین مجلس کے لئے دعا کرو تو یہ سب لوگ جنت میں جائیں گے۔ یہ بات بیان کرکے پاک مسیحؑ کے صدیقؓ نے فرمایا کہ خدا نے اِس وقت مجھے بھی فرمایا ہے کہ تم اس مجلس کے حاضرین کیلئے دعا کرو تو یہ سب بھی جنت میں جائیں گے۔ اس کے بعد حضورؓ نے دعا فرمائی۔ اس شام کی اس مجلس کی کیفیت کا وہی لوگ اندازہ کرسکتے ہیں جو اس مجلس میں حاضر تھے۔ (اصحاب احمد جلد 12)

(باقی آئندہ شمارہ میں)

حضرت علّامہ محی الدین ابن عربیؒ

(کلیم احمد کِم۔ لندن)

حضرت محی الدین محمد بن علی الحاتمی الطائی عرب قبیلہ طے سے تعلق رکھتے تھے جو سخاوت کے لئے مشہور تھا۔ حاتم طائی بھی اسی قبیلہ کے ایک سردار تھے۔ جب بنواُمیّہ کے عبدالرحمٰن الثانی نے اُندلس میں اپنی ریاست قائم کی تو آپ کا خاندان عرب سے ہجرت کر کے اُندلس میں آبسا اور زہد و پارسائی اور علم و ذکاوت کی وجہ سے جلد ہی نمایاں طور پر پہچانا جانے لگا۔ بہادری کی وجہ سے آپؒ کے آباء فوج میں بھی کارہائے نمایاں بجا لائے۔ خاندان صاحب ثروت تھا۔ آپ کے دادا محمد، اُندلس میں قضاۃ اور علماء میں سے تھے جبکہ والد ماجد خلیفہ کے دربار میں ایک اعلیٰ عہدہ پر متمکّن تھے۔ وہ حدیث کے آئمہ تصوّف کے محققین میں سے تھے اور مشہور فلسفی ابن رُشد کے دوست تھے۔ اُن کی عمر پچاس برس تھی جب حضرت ابن عربی کی پیدائش ہوئی۔

حضرت ابن عربیؒ کے چچا عبداللہ بن محمد نے 80 سال کی عمر میں ایک چھوٹی عمر کے لڑکے کے ایک جملہ سے متاثر ہو کر مجاہدہ اور ریاضت کا آغاز کیا اور تصوّف میں بلند مقام حاصل کیا۔ بعدازاں آپؒ اپنے اُس چچا کی بدولت متعدد صوفیاء سے ملے اور اکتساب علم کیا۔ آپؒ کے دو ماموں یحییٰ بن یغمان اور ابومسلم خولانی بھی اپنے وقت کے نامور پارساؤں میں شمار ہوتے تھے۔

حضرت محی الدینؒ ابن عربی کی پیدائش اُندلس کے شہر مرسیہ میں 1165ء میں ہوئی۔ یہیں آپ نے ابتدائی تعلیم حاصل کی اور قریباً ستّر اساتذہ سے اکتساب فیض کیا۔ جب آپ آٹھ سال کے تھے تو مواحدوں نے مرسیہ پر قبضہ کر لیا اس پر آپ کا خاندان ہجرت کر کے پرتگال کے علاقہ اشبیلیہ (لزبن) آ گیا۔ یہاں بھی آپؒ نے کئی نامور اساتذہ سے اکتسابِ فیض کیا۔ آپؒ نے چھتیس سال مغرب میں اور چھتیس سال مشرق کی سیاحت میں گزارے جس کے دوران کئی نامور علماء وصوفیاء سے ملاقات کی اور کئی مناظرے بھی کئے۔

1190ء میں حضرت ابن عربیؒ دوبارہ قرطبہ گئے اور وہاں کے مشہور علماء و حکماء کی صحبت میں کچھ وقت گزارا۔ قرطبہ کے راستہ میں آپ اندلس کے مشہور شہر مدینۃ الزہراء کے پُرشکوہ شہر کے ویرانے کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔ اب وہاں پرندوں کے چند گھونسلے ہی باقی رہ گئے تھے۔ یہ ویرانہ دیکھ کر آپ نے فی البدیہہ چند اشعار کہے۔ آخری شعر کا ترجمہ یوں ہے کہ:

اُن کے ٹھکانوں کے بقیہ نشانات اور یہ سارا ماحول جن کے وہ ٹھکانے تھے جب بھی یاد آتے ہیں تو جانیں پگھلنے لگ جاتی ہیں۔

حضرت ابن عربیؒ 1193ء میں تیونس گئے۔ حاکم شہر آپ کا معترف اور معتقد تھا۔ یہاں آپؒ نے بہت سا علمی کام کیا اور اندلس کے صوفیاء کے تذکروں پر مشتمل کتاب 'روح القدس' لکھی۔ پھر آپ تلمسان گئے جہاں آپ کے صوفی منش ماموں کی قبر بھی تھی۔ آپؒ اپنی کتاب 'فتوحات المکیہ' میں لکھتے ہیں کہ تلمسان میں مجھے بتایا گیا کہ ایک شخص (ابوعبداللہ طرسوسی) شیخ ابومدین کی بدگوئی کرتا ہے۔ ابومدین اکابر عارفین میں سے تھے۔ سو مجھے اُس شخص سے اس وجہ سے کد ہو گئی۔ تب مَیں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ (ابوعبداللہ) مجھے اور خدا کو دوست رکھتا ہے پھر صرف ابومدین سے خصومت کی وجہ سے تُو اسے دشمن کیوں سمجھتا ہے؟ مَیں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! مجھ سے خطا ہوئی، مَیں توبہ کرتا ہوں اور اب وہ مجھے بھی جان سے پیارا ہے۔ جب خواب سے بیدار ہوا تو ایک لباس اور بہت سی نقدی لے کر اس کے پاس گیا اور اپنا خواب سنایا۔ وہ رونے لگے اور میرا تحفہ قبول کر لیا۔

حضرت شیخ الاکبر 1190ء میں اشبیلیہ پہنچے۔ اسی سال آپ کے والد کا انتقال ہوا۔ آپ 1192ء میں دوبارہ اشبیلیہ آئے۔ 1193ء میں فاس شہر میں آئے اور مسجد ازہر میں باجماعت نماز کے دوران وہ مقام تجلّی پر فائز ہوئے اور ایک نورِ درخشندہ آپ کے مشاہدہ میں آیا۔ آپؒ نے خود لکھا کہ: "اور یہ تجلّی وہ مقام ہے کہ 1193ء میں نماز عصر کے دوران میں اس پر فائز کیا گیا۔ اس وقت میں لوگوں کے ساتھ باجماعت نماز ادا کر رہا تھا کہ میں نے ایک نور دیکھا کہ اس سے میرے سامنے ہر چیز روشن ہو گئی۔ لیکن جس گھڑی میں اسے دیکھ رہا تھا میری مخلوقیت مجھ سے زائل ہو گئی۔ میرے لئے نہ سامنے رہا اور نہ پیچھے اور اس مشاہدہ سے سمتوں کا فرق مٹ گیا بلکہ میں ایک کمرہ کی مانند ہو گیا اور اپنے لئے کسی سمت کی شناخت نہ کر سکا مگر اٹکل سے۔ ایسا ہی مشاہدہ مجھے پہلے بھی ہو چکا تھا، البتہ اس سے پہلے جو کشف ہوا تھا اس کا انداز مختلف تھا۔ اس کشف میں اشیاء میرے سامنے دیوار میں سے مجھ پر ظاہر ہوئی تھیں لیکن آج کا کشف ویسا نہ تھا۔......." (فتوحات جلد دوم ص512)

آپ 1194ء میں غرناطہ آئے اور یہاں ابن رشد کے تجہیز و تدفین میں حصہ لیا۔ اس سے اگلے سال مرسیہ آ گئے اور اہل طریقت اور صوفیاء سے مجالس کرتے رہے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد آپ المریۃ آ گئے اور یہاں عبادت اور خلوت میں مشغول رہے جس کی بدولت آپ الہام کی نعمت سے بہرہ ور ہوئے اور تصوّف پر کتاب "مواقع النجوم" تحریر کی۔ پھر 1197ء میں آپ مراکش آئے اور یہیں خواب میں عرش الٰہی کی تجلّی دیکھی۔ عرش کے پائے نورانی تھے اور سایہ لامتناہی۔ اس کے نیچے ایک خزانہ دیکھا اور اس پر لاحول ولاقوۃ الاباللّٰہ العلی العظیم کے الفاظ کندہ تھے۔ آپ نے خوبصورت پرندے بھی اڑتے دیکھے۔ سب سے حسین پرندے نے آپ کو سلام کیا اور کہا کہ وہ شہر فاس میں جائیں اور محمد حصار (عالم) سے ملاقات کریں اور مشرق کی طرف سفر اختیار کریں۔ اور ایسا ہی خواب محمد حصار کو بھی دکھلایا گیا۔ چنانچہ وہ بھی آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ پھر آپ دونوں نے مل کر بلادِ مشرق کی طرف اسفار کئے اور مصر پہنچے۔ یہاں پر محمد حصار کا انتقال ہو گیا تو پھر آپ الجائیہ آ گئے اور وہاں سے تیونس چلے آئے۔ اسی سال آپ مدینہ منوّرہ اور بیت المقدس بھی گئے۔

حضرت شیخ الاکبر 1198ء میں مکّہ تشریف لائے اور ایک عالم و فاضل و

محدّث حضرت مکین الدین اصفہانی سے علم حدیث حاصل کیا۔ اُن کی ایک بہن نظام کی پارسائی اور تقویٰ سے بھی آپؒ بہت متاثر ہوئے۔ چنانچہ وہ پہلی خاتون تھیں جو حضرت ابن عربی کی زندگی میں آئیں۔ اپنی اس محبت کو آپ نے پاکیزہ اور حقیقی قرار دیا ہے۔ طریق عرفان میں داخل ہونے کے بعد مکہ میں قیام تک آپؒ نے مجرّد زندگی گزاری تھی۔ آپ لکھتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں سے تھا جو عورتوں کو ناپسند کرتا تھا۔ پھر اسی اصول پر اٹھارہ سال قائم رہا۔ مگر یہ نفرت مجھ سے نکل گئی جب میں نے آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان پڑھا کہ خدا نے عورتوں کو میرے لئے محبوب بنا دیا ہے۔ اب میں ان لوگوں میں سے ہوں جو عورتوں پر سب سے زیادہ مہربان ہوں اور ان کے حقوق کی زیادہ نگہداشت کرتا ہوں۔ میں اب اس سلسلہ میں بصیرت پر ہوں کہ یہ بات خدا کی طرف سے ہے یعنی اسی نے عورتوں کو میرے لئے محبوب بنایا ہے۔ یہ بات کوئی طبیعت کا اقتضا نہیں ہے۔ (ترجمان الاشراق)

شیخ الاکبر کی کم سے کم دو اور ایک روایت میں چار شادیوں کا ذکر ملتا ہے۔ پہلی شادی مکہ میں فاطمہ بنت یونس بن یوسف امیر الحرمین سے 1202ء میں ہوئی۔ ان کے بطن سے بیٹے محمد عماد الدین 1203ء میں مکہ میں پیدا ہوئے۔ دوسری شادی آپ نے مریم بنت محمد بن عبدون سے کی آپ کے اس اہلیہ سے دو بچے تھے ایک کا نام زینب اور بیٹے کا نام محمد سعد الدین تھا۔

آپؒ نے 1202ء میں مکّہ میں ہی خاتم الولائت کے مقام پر فائز ہونے کا خواب دیکھا جس کو آپ نے ''فتوحات'' میں بیان فرمایا ہے۔ آپ کے مکّہ کے دو سالہ قیام میں آپ نے ''مشکوٰۃ الانوار'' اور ''فتوحات مکیہ'' لکھنے کا آغاز کیا۔ اس کے بعد آپ نے بغداد کا سفر کیا اور وہاں آپ کی علماء اور فضلاء سے ملاقاتیں کیں۔ اس سفر کی سب سے اہم بات یہ ہوئی کہ 1204ء میں بغداد میں آپ کو ایک صوفی شیخ مجد الدین ملاطیہ ملے جو کہ مشرقی اناطولیہ کے رہنے والے تھے۔ آپؒ اُن کے ساتھ 20 سال تک رہے۔ وہ سلجوقی سلطنت کے اہم عہدیدار اور صوفی منش انسان تھے اور بادشاہ وقت ان پر بہت اعتماد کرتا تھا۔ دونوں نے فلسطین، شام اور اناطولیہ کے سفر کئے۔ شیخ مجد الدین کے ایک بیٹے صدر الدین القونوی کو حضرت شیخ الاکبر نے متبنّٰی بنالیا اور وہ آپؒ کی وفات کے بعد آپؒ کے خلیفہ بھی بنے۔

موصل سے آپ دونوں ملطیہ آئے جو کہ شیخ مجد الدینؒ کی جائے پیدائش تھی۔ یہاں دونوں کا فقید المثال استقبال کیا گیا۔ سلطان دونوں کے اوصاف سے آگاہ تھا۔ اُس نے آپ سے یہاں قیام کی درخواست کی اور عالیشان مکان مہیا کرنے اور دیگر ضروریات کا خیال رکھنے کا حکم دیا۔

1206ء میں آپؒ بیت المقدس اور مکّہ کے سفر پر روانہ ہوئے۔ بیت المقدس کے قیام کے دوران آپ نے کتاب الباع اشارات القرآن، تنزلات الموصلیہ لکھیں اور اپنے مریدین کو روح القدس کا درس دیا۔ پھر فریضہ حج کے بعد قاہرہ گئے آپ نے وہاں ایک خواب دیکھا کہ: میں صالحین کی جماعت کے ساتھ ہوں...... ہم لوگ ایک تنگ تاریک گھر میں فروکش ہوئے۔ روشنی ندارد۔ مگر وہ روشنی جو ہمارے جسموں سے پھوٹ رہی تھی اس سے ماحول روشن ہو گیا۔ پھر ایک شخص جو حسن صورت اور حسن کلام میں بے مثال تھا۔ ظاہر ہوا اور ہم سے یوں مخاطب ہوا۔ میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ کیا پیغام ہے اور تُو ہمارے پاس کیا لایا ہے۔ اس نے کہا کہ جان لو خیر وجود میں ہے اور شرّ عدم میں۔ خدا نے انسان کو اپنی رحمت کے ساتھ پیدا کیا ہے اور اسے وہ اکیلی ہستی قرار دیا ہے۔ جس کا وجود اس کے وجود سے مبائن ہے۔ لیکن جس میں اللہ کے اسماء اور صفات پائے جاتے ہیں۔ مشاہدہ ذات کے وقت صفات سے توجہ ہٹ جاتی ہے اور وہ ذات سے ذات کو دیکھتا ہے۔ کثرت اپنی اصل یعنی وحدت کو لوٹ جاتی ہے پس نہ وہ رہتا ہے نہ تُو۔ (محاضرۃ الابرار و مسافرۃ الاخیار صفحہ 54)

قاہرہ کے قیام کے دوران آپؒ کرامات وخوارق اور اسرار و رموزِ طریقت بے دھڑک بیان کر رہے تھے۔ جس پر فقہاء نے آپ کی بہت مخالفت کی۔ آپ کو بدعتی کہا اور آپ کی تکفیر کی، نیز حکمران کو آپ کو قید کرنے اور قتل پر اکسایا۔ چنانچہ آپ قید بھی ہوئے۔ تاہم ایک شفیق دوست ابوالحسن البجائی کی وجہ سے حضرت شیخ الاکبر کو قید سے رہائی ملی۔ پھر حضرت شیخ الاکبر تین ماہ کے لئے مکّہ چلے گئے۔ آپؒ کی عمر پچاس سال ہو گئی تھی۔ یہاں آپؒ نے اپنی شاعری کا دیوان ترجمان الاشراق ترتیب دیا اور اس کی شرح ذخائر الاعلاق لکھی۔

آپ نے مشرق بلاد کے علاوہ بھی اسفار کئے۔ 1223ء میں آپ دمشق آ گئے۔ اس وقت آپ کی عمر ساٹھ سال تھی۔ اور پھر سوائے ایک بار حلب کا سفر کرنے کے، ساری عمر دمشق میں گزار دی۔ دمشق میں آپؒ کا بہت اکرام ہوا۔ شافعہ فقہ کے قاضی احمد بن خلیل خوئی نے بھی غلاموں کی طرح پذیرائی کی اور آپ کو روزانہ تیس درہم نذرانہ بھی کرتے۔ اسی طرح مالکی فقہ کے قاضی شیخ زین الدین زاواوی اپنے عہدے سے دستبردار ہو کر آپ کے پیرو بن گئے اور ہمہ وقت آپ کی خدمت میں رہتے اور اپنی ایک بیٹی بھی ابن عربی کے نکاح میں دی۔ دمشق میں ہی حضرت شمس تبریز بھی آپؒ سے ملے اور آپؒ کے بارہ میں کہا کہ ''ایک کوہسار ہے، اسم بامسمّٰی ہے'' (مقالات شمس تبریز جلد اوّل، صفحہ 239)

حضرت شیخ الاکبر نے جو اپنے روحانی تجربات، واردات اور کیفیات بیان کی ہیں وہ آپ کی کتاب فتوحات میں ایک فرشتہ کی وساطت سے درج ہیں۔ حضرت شیخ الاکبر نے اس فرشتہ کو کعبہ میں ایک جوان آدمی کی صورت میں دیکھا۔

جب آپؒ زیارت وطواف کعبہ کے اعمال اور حجر اسود کے چومنے کی حکمت کا اظہار کرتے ہیں تو اسی فرشتہ سے انہیں اللہ کا جواب موصول ہوتا ہے۔ ''فتوحات'' میں بیان فرماتے ہیں کہ طواف کرتے ہوئے میں نے دل میں کہا کہ میں کعبہ کا طواف کیوں کروں جبکہ وہ ہمارے راز و نیاز اور حرکت طواف کو دریافت کرنے سے نابینا ہے۔ حجر اسود جو ناتراشیدہ پتھر کعبہ کے کونے میں نصب ہے وہ ہماری حرکات مثلاً اس کو چومنے اور ہاتھ لگانے سے ناواقف ہے۔ اس پر مجھے کہا گیا: او حیرت زدہ آدمی! تم ایسا اعتراض کرنے اور اس پر مصّر ہونے سے ہلاک شدہ شمار ہو گے۔ چشم دل سے خانہ خدا کو تو دیکھو کہ ان کا نور ان کے دلوں کے لئے درخشاں ہو رہا ہے۔ جو پاک ہوئے اور جن پر راز الٰہی کھولے گئے۔ خدا کی قسم پاکیزہ دلوں نے نور کعبہ کو بغیر پردہ کے دیکھا اور اس کا بلند اور بزرگ بھید ان پر ظاہر ہوا اور پاکیزہ دلوں کے لئے میرے جلال کے کنارہ آسمان سے صداقت کا چاند جلوہ گر ہو رہا ہے جس کو کذب کے گہن نے نہیں چھوا۔

مشاہدات اور کشف وخوارق کے بارہ میں آپؒ کے خلیفہ صدر الدین قونوی لکھتے ہیں: حضرت شیخ الاکبر نے مجھے بتایا کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی اور آپؐ نے فرمایا کہ خدا تمہاری عبادت کی جزا سر انجام دینے

سے پہلے ہی دے دیتا ہے۔ حضرت شیخ الاکبر اگر کسی چیز کی حقیقت جاننا چاہتے تو اسے بغور دیکھتے اور پھر اس کے مستقبل حتّٰی کہ اس کے انجام تک کی خبر دیتے اور وہ کبھی غلط ثابت نہ ہوتے۔ وہ لوگوں کے نہ صرف حال بلکہ ماضی کے حقائق واحوال بھی جان سکتے تھے۔ حضرت شیخ الاکبر فرماتے ہیں: (ترجمہ) تُو ذات کی ذات میں غوطہ زن ہوگا تو ایسے عجائبات دیکھے گا جو واضح طور پر ظاہر ہوں گے اور ایسے اسرار بھی دیکھے گا جو مبہم نظر آتے ہیں اور معانی کی روحوں میں پوشیدہ ہیں۔

فتوحات میں ابن عربیؒ انبیاء ورسل کے عینی مشاہدات کا دعویٰ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: میں نے تمام انبیاء ورسل کا عینی مشاہدہ کیا ہے۔ میں نے قوم عاد کے پیغمبر حضرت ہودؑ سے براہ راست گفتگو کی ہے۔ میں نے ان تمام مومنین کا جو اس وقت تک پیدا ہو چکے ہیں اور قیامت تک پیدا ہوں گے عینی مشاہدہ کیا۔ اللہ نے دو مختلف وقتوں میں لیکن ایک ہی جگہ ان کا مشاہدہ کرایا۔ آنحضرت ﷺ کے علاوہ تمام انبیاء کی ہم نشینی کا فیض اٹھایا اور اس سے نفع اٹھایا۔ میں نے حضرت ابراہیمؑ سے قرآن پڑھا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے ہاتھ پر توبہ کی۔ حضرت موسیٰؑ نے مجھے کشف وایضاح اور رات دن کے اُلٹ پھیر کا علم عطا کیا۔ جب مجھے یہ علم حاصل ہوگیا تو میرے لئے رات، رات نہ رہی بلکہ پورا ہی دن ہوگیا۔ میرے لئے سورج کے طلوع اور غروب میں کوئی فرق نہ رہا۔ رسولوں میں سے میں نے آنحضرت ﷺ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت ہودؑ اور حضرت داؤدؑ کے ساتھ معاشرت کی۔ باقی رسولوں کو دیکھا، اُن کی صحبت حاصل نہ ہوئی۔

(فتوحات جلد چہارم صفحہ 77)

حضرت آدم کی رؤیت کے بارہ میں آپ لکھتے ہیں: جب میرا جسم، حسین و جمیل خانہ کعبہ تک پہنچا اور امین لوگوں کا رتبہ حاصل کر لیا وہاں پر میں نے ملاء الاعلیٰ کو دیکھا اور میں حضرت آدم کے ساتھیوں میں شامل ہوگیا۔ وہاں پر حضرت آدمؑ کا ایک بیٹا بھی دیکھا جو بڑے بڑے کریموں میں سے اکرم، وسیع بخشش کا مالک، صاحب تقویٰ اور فرماں بردار تھا۔ یہ سب لوگ سیاہ پوش تھے۔ اور بیت مکرم میں سرگرم طواف تھے۔ میرے باپ یعنی حضرت آدمؑ بزرگ ملائکہ کے آگے آگے کمزور رفتار سے چل رہے تھے اور بندہ (یعنی ابن عربی) مؤدب شخص کی طرح خمیدہ گردن اپنے باپ کے سامنے کھڑا تھا اور حضرت جبرائیل میرے سامنے تھے۔ اپنے باپ کی خدمت کیلئے مَیں نے ہاتھ میں معالم ومناسک لے رکھے تھے تاکہ وہ اپنے بیٹوں کے سپرد کر سکیں۔ مجھے اپنے باپ کا یہ جاہ وجلال دیکھ کر تمام فرشتوں پر تعجب ہوا کہ انہوں نے اس پر زمین میں فساد کرنے اور خون بہانے کا الزام کیسے لگایا تھا۔ اب میں دیکھ رہا تھا کہ فرشتے اور میرے والدِ گرامی ایک ہی مجلس میں جلوہ افروز ہیں جبکہ میرے والد سردار اور ملائکہ اُن کے خادم تھے۔ گویا اللہ نے ان کے اعتراض کا اعادہ بصورت عدل کر دیا اور ان کو خادم بنا کر بمنزلہ اعدأ قرار دیا۔ گویا فرشتوں کو پہلے دن کے اعتراض کی سزا کے طور پر حضرت آدمؑ کی خدمت پر مامور کر دیا گیا۔ جب میں نے یہ تمام حقائق ملاحظہ کئے تو میرا دل ہر قسم کے اور تخیّلات سے پاک ہوگیا۔

حضرت شیخ الاکبرؒ "فتوحات مکیہ" کے خطبہ میں لکھتے ہیں کہ وہ کئی مرتبہ خواب اور بیداری میں آنحضرت ﷺ کی زیارت سے بہرہ ور ہوئے۔ آپ لکھتے ہیں کہ حمد الٰہی کے بعد اس ذات گرامی صفات کے لئے رحمت کی درخواست کرتا ہوں جس میں اس ہستی کا راز مضمر ہے اور جس کا وجودِ مسعود اس عالم کا لُب لباب ہے۔ تمام کائنات کا وہی مطلوب ومقصود ہے۔ وہ تمام دنیا کا سردار حقیقی اور تمام باتوں کا صادق القول اور جس نے راتوں رات ساتوں آسمانوں کو طے کیا اور پروردگار عالم کی ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ یہ اس لئے ہوا کہ خالق پاک جس نے اس کو معراج سے مختص کیا وہ اس کو اپنی قدرت کے عظیم نشانات دکھانا اور حقائق کونیہ سے آگاہ کرنا چاہتا تھا۔ میں نے عالم مثال میں مکاشفہ قلبیہ کے طور پر اس عالم میں اس کو ایسا عالی قدر سردار پایا جس کے مقاصد ومطالب آمیزش نفسانی سے معصوم۔ اس کے مشاہدات تلبیس شیطانی سے محفوظ اور وہ ہر ایک حالت میں موئید ومنصور ہے۔ تمام رسل اور انبیاء اس کے سامنے صف باندھے کھڑے تھے۔ اور اس کی اُمّت جس کو خیر الامم کا خطاب ملا اُس پر پروانوں کی طرح گرتی تھی۔ ملائکہ تسخیر آپ کے پایۂ تخت کے ارد گرد حلقہ زن تھے اور وہ فرشتے جو نیک عملوں سے پیدا ہوتے ہیں سب دست بدستہ حاضر خدمت ہیں۔ آپ کے داہنے طرف حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ ہیں۔ اور خَتم آپ کے سامنے زانوائے ادب تہہ کر کے حدیث انثیٰ خدمت عالیہ میں عرض کر رہا تھا۔ حضرت علی مرتضیٰؓ خَتم کے ترجمان بنے ہوئے تھے۔ اور حضرت عثمانؓ شرم وحیا کی چادر بنے ہوئے اپنے کاموں میں مشغول تھے۔ سرورِ عالی قدر اور چشمۂ شیریں فیض نے مجھ کو خَتم کے پیچھے بیٹھا ہوا دیکھ لیا۔ یہ قرب میرے اور خَتم کے درمیان اس وجہ سے تھا کہ میرا اور اس کا ایک ہی حکم ہے۔ سرورِ کائنات نے اس کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ "یہ تمہارا ہمسر ہے، تمہارا بیٹا اور تمہارا مخلص دوست ہے اس لئے میرے سامنے درخت جھاؤ کی لکڑی کا منبر نصب کرو۔ (آنحضرت ﷺ کا منبر اسی لکڑی کا بنا ہوا تھا) اس کے بعد میری طرف اشارہ کر کے فرمایا: "اے محمد! (ابن عربی) میری اور میرے بھیجنے والے کی تعریف بیان کر۔ تمہارے اجسام میرا ایک بال ہے۔ (فتوحات میں اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مجھے اس مقام عبودیت سے جس کے ساتھ آنحضرت ﷺ مخصوص ہیں، بیل کی کھال کے ایک بال کے برابر حصہ عطا ہوا ہے) اس بال کے شوق سے میں بیتاب ہوں۔ یہی بال تمہارے تمام اجزاء میں بادشاہ کا حکم رکھتا ہے۔ تم ہمہ تن میری طرف متوجہ ہو جاؤ یہ ایک امر ضروری ہے کہ اس بال سے میری ملاقات ہوگی۔ کیونکہ وہ عالم شقاوت کے مفہوم میں شامل نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میری بعثت کے بعد میرا کوئی ادنیٰ جزو بھی کسی چیز میں ہو تو وہ سعید ہوتی ہے اور اگر کسی کو یہ سعادت نصیب ہو تو وہ اس قابل ہوتا ہے کہ ملاء اعلیٰ (ملائکہ مقربین کی جماعت) میں اس کی قدردانی اور تعریف کی جائے۔" خَتم نے رسالت پناہ ﷺ کے ارشاد مبارک کی تعمیل کر کے اس والی قدر مقام میں منبر نصب کر دیا۔ منبر ایک پہلو پر نور کے قلم سے جلی حروف میں لکھا ہوا تھا۔" یہ وہ مقدس درجہ ہے جس کو مقام محمدی کہتے تھے۔ اس مقام پر چڑھنے والا اس مقام شرف کا وارث ہے اور حق تعالیٰ اس کو اپنی شریعت مطہرہ کی حفاظت کے لئے مبعوث ومقرر فرما کر بھیج دیتا ہے۔ اس حالت میں مجھ میں موہبت یزدانی کے طور پر حکمت ہائے الٰہیہ کا علم عطا کیا گیا۔ گویا اس وقت مجھ کو جوامع الکلم (وہ الفاظ جو دریا کو کوزہ بند کرنے کے مصداق ہوں) کا القا کیا گیا۔ میں خدائے پاک کا شکر کر کے اس منبر کے بالائی حصہ پر چڑھ گیا اور ایسی جگہ پر پہنچ گیا جو آنحضرت ﷺ ہی کی جائے وقوف واستقرار تھی۔ جس جگہ پر میں کھڑا ہوا وہاں میرے لئے ایک سفید کرتے کی آستین بچھا دی گئی تاکہ جس جگہ پر آنحضرت ﷺ نے اپنا قدم مبارک رکھا ہے اس کو میں اپنے پاؤں سے نہ چھوؤں

اس سے آنحضرت ﷺ کی تعظیم تکریم اوران کی توقیر واحترام مقصود تھا۔جس مقام کو آنحضرت ﷺ نے حضرتِ الٰہیہ میں پہنچ کر بے حجاب مشاہدہ کیا۔اس مقام کوان کے وارث اور قائم مقام پردہ اور نقاب حائل ہونے کی حالت میں دیکھ سکتے ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو ہمارے مکاشفہ ومعرفت اور اُن کے مکاشفہ ومعرفت میں سرِمو فرق نہ ہوتا۔جب میں اس مقام برتر میں سرورِ کائنات ﷺ کے سامنے کھڑا ہوگیا۔جس کوشب معراج میں اپنے پروردگار جلّ سلطانہ سے وہ قرب حاصل ہوا جس کی فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى کی آیت کریمہ شارح ہے تو میں خجلت زدہ ہوکر سر جھکائے کھڑا رہا۔(فتوحات مکیہ مترجم محمد فضل خان صفحہ 48 تا 56)

اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حدوث عالم کے متعلق تقریر ہے جو قرآن وحدیث کے حوالہ سے آپؐ کی تعریف وتوصیف ہے اس کے بعد ابن عربیؒ لکھتے ہیں کہ میں خواب کے اس مشہدِ اعلیٰ سے عالم سفلی کی طرف لوٹ آیا۔

ابن عربیؒ پتھروں سے ذکر وتسبیح الٰہی اوران سے گفتگو کی واردات کو یوں بیان کرتے ہیں: ''ہمارا گوش شنید اور چشم دیدواقعہ ہے کہ پتھروں کو اللہ کا ذکر کرنا زبان گویا سے ہم نے اپنے کانوں سے سنا ہے۔وہ ہم کو جلال عارفین جیسے لوگوں سے خطاب کرتے ہیں۔ہرانسان ان اموروکو دریافت نہیں کرسکتا۔(ایضاً صفحہ 515)

حضرت ابن عربی کے کئی اہم واقعات اُن کی کتب میں درج ہیں۔مثلاً:

☆ ایک فلسفی حضرت ابن عربی کو ملا اور وہ خوارق معجزات کا منکر تھا۔اُس نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ آگ میں ڈالے گئے مگر وہ جلے نہیں،آگ تو ہر چیز کو جلا دیتی ہے۔قرآن میں نار سے مراد نمرود ہے جبکہ حضرت ابراہیمؑ کے نہ جلنے سے مقصد یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ دلیل وحجت سے اس پر غالب آئے۔جب فلسفی اپنی بات کرچکا تو حضرت ابن عربیؒ نے بڑی متانت کے ساتھ فلسفی پر نگاہ ڈالی اور فرمایا:''تمہیں قرآن کے اس بیان سے انکار ہے۔میں تمہیں یہ بات اسی جگہ دکھا تاہوں''۔حضرت ابن عربی نے ایک انگیٹھی کو پکڑ کر اپنے پاس کیا،یہ جاڑے کا موسم تھااور کہا کہ کیا یہ وہی آگ ہے جو جلانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔فلسفی بولا ہاں۔آپ نے انگیٹھی میں دہکتی آگ والے کوئلے اس فلسفی کی جھولی میں ڈال دیئے۔اُس نے گھبرا کر کھڑا ہونا چاہا مگر یہ دیکھ کر حیران رہا کہ آگ نے اس کے کپڑوں اور جسم کو ذرا بھی نقصان نہ پہنچایا تھااور اس کے جسم کو حرارت بھی محسوس نہ ہوئی۔وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سرخ دہکتے انگاروں کو دیکھنے لگا۔شیخ نے اس کی کیفیت کو دیکھا تو زیرلب مسکرائے اور بے تکلفی کے ساتھ انگاروں کو الٹتے پلٹتے رہے۔اس کے بعد اُن کو اٹھا کر فلسفی کے سر اور بدن پر ڈالے لیکن فلسفی کا جسم اور کپڑے جلنے سے محفوظ رہے۔شیخ نے انگارے پھر انگیٹھی میں ڈال دئے اور فلسفی سے کہا:اپنا ہاتھ اب آگ میں ڈال۔جب فلسفی نے اپنا ہاتھ آگ کی طرف بڑھایا تو وہ جلنے لگا اور اس نے ہاتھ کھینچ لیا۔شیخ نے فرمایا کہ اب یہ حقیقت عیاں ہوچکی ہے کہ آگ کا جلانا یا نہ جلانا اللہ کے حکم سے ہے۔یہ اس کی طبیعت کا خاصہ نہیں۔فلسفی نے اقرار کیا اور توبہ وتائب ہوا۔

☆ ابن عربی بیان کرتے ہیں:''ہم چند فقراء کو مصر کے شمع سازوں کے محلّہ میں ایک بندۂ خدا نے دعوت دی۔اکثر مشائخ جمع تھے۔روٹی لائی گئی اور برتن بھردئے گئے،وہاں ایک شیشے کا برتن جو پیشاب کے لئے صاحب خانہ لایا تھا مگر استعمال نہ ہوا تھا۔اس میں بھی صاحب خانہ کوئی کھانے کی چیز لے آیا۔سب بندگان الٰہی کھانا تناول فرمارہے تھے کہ اس برتن نے زبان حال سے کہنا شروع کردیا:''جب اللہ نے مجھے ان بزرگان کا کھانے کا برتن بنادیا تو میں نہیں چاہتا کہ آئندہ پیشاب کا برتن بنوں''۔یہ کہہ کر وہ دوٹکڑے ہوگیا۔ابن عربی کہتے ہیں کہ میں نے مشائخ سے پوچھا کہ تم نے وہ سنا،جو برتن نے کہا۔انہوں نے کہا کہ ہاں ہم نے سنا ہے۔میں نے پوچھا:برتن نے کیا کہا؟انہوں نے کہا کہ برتن کہتا ہے کہ ان عمدہ لوگوں نے مجھ میں کھایا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ آئندہ پیشاب کے لئے استعمال کیا جاؤں اس لئے ٹوٹ گیا۔ابن عربی کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ''اس برتن نے تو کچھ اَور کہا تھا''مشائخ نے پوچھا کہ کیا کہا ہے۔ابن عربی نے جواب دیا کہ اس نے کہا کہ''اے بندگانِ خدا!جب تمہارے دلوں کو خدا نے اپنے لئے منتخب کیا ہے اور ایمان شہودی سے نوازا ہے تو تمہیں چاہیے کہ تم اس دل کو گناہوں کی نجاست کا محل نہ بناؤ اور نہ حُبِّ دنیا کا مسکن ورنہ میری طرح ٹوٹ جاؤ یعنی مَر جاؤ''۔

اکثر ماخذ میں لکھا ہے کہ آپ ظاہری مسلک سے تعلق رکھتے تھے اور آپ حضرت ابوداؤد ظاہری کے مقلد تھے۔شیخ الاکبر کے اکثر سوانح نگار اور مؤرخین انہیں اہل سنت والجماعت کے علماء میں شمار کرتے ہیں۔بعض شیعہ اکابر انہیں متعصب سنّی جبکہ کچھ اہلسنت نے انہیں شیعہ خیال کیا ہے۔اسماعیلی شیعہ انہیں اپنوں میں سمجھتے ہیں اور حجّت کے مرتبے پر قرار دیتے ہیں۔اور بعض ان کو اثنا عشری میں شمار کرتے ہیں۔لیکن ظن غالب یہ ہے کہ وہ سنّی تھے۔تحقیق کے بعد زیادہ گمان یہی ہے کہ آپ نہ تو متداول معنی میں شیعہ تھے اور نہ معروف مفہوم میں سنّی۔آپ ایک وحدت الوجود صوفی تھے جو وجود کو واحد جانتے تھے اور دین ومذہب کو بھی۔

دنیا میں شاذ ہی لوگ گزرے ہوں گے جنہوں نے تصانیف کا اتنا بڑا ذخیرہ چھوڑا ہوگا جتنا کہ حضرت ابن عربی نے چھوڑا ہے۔آپؒ صوفیاء کے مسلک کے مطابق عبادت وریاضت،مجاہدہ ومراقبہ،ذکروشغل،وظائف،فرائض،سنت و نوافل،صبح خیزی اور شب بیداری کے مشاغل میں مصروف رہے اور صوفیاء کی تربیت پر بے شمار لکھا۔بیشتر تصانیف کا موضوع تصوّف ہے۔اس کے علاوہ آپ نے حدیث،تفسیر،سیرۃ النبی ﷺ،ادب،علوم طبیعی،ہیئت اور علوم مخفیہ پر بھی قلم اٹھایا۔''فتوحات مکیہ''،''فصوص''اور''تنزلات''جیسی کتابیں اُن کے پختہ ترین فکر کی آئینہ دار ہیں۔

جرمن مستشرق بروکلمان نے ابن عربی کو دنیا کا سب سے زیادہ زرخیز دماغ رکھنے والا مؤلف اور نہایت وسیع الخیال اور وسیع المشرب مصنف قرار دیا ہے۔ مولوی عبدالرحمٰن جامی نے آپ کی کتب کی تعداد پانچ سو رقم کی ہے۔محمد رجب حلمی نے 284 کتب گنوائی ہیں۔هدية العارفين کے مصنف نے 475 کتب بیان کی ہیں۔ڈاکٹر محسن جہانگیری آپؒ کی 511 کتب کا ذکر کرتے ہیں۔الغرض حضرت ابن عربی نے صوفیاء اور مشائخ کے لئے علم کا بحرِ ذخار چھوڑا ہے۔

9 نومبر 1240ء کو آپؒ نے دمشق میں وفات پائی اور کوہ قاسیوں کے دامن میں تدفین ہوئی۔بعض روایات میں آتا ہے کہ آپؒ کی وفات طبعی نہیں تھی بلکہ قتل کیا گیا تھا تاہم اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔آپؒ کے کتبہ پر آپ کا ہی ایک شعر تحریر ہے جس کا ترجمہ ہے:''ہرزمانے میں ایک فرد ہوتا ہے جو اسے بلندی عطا کرتا ہے اب جس قدر زمانہ باقی رہ گیا ہے اس کے لئے فرد یکتا میں ہوں''۔

تاریخ احمدیت میں "لندن کا ہائیڈ پارک کارنر"

(بشیر احمد خان رفیق۔ سابق امام مسجد فضل لندن)

ملکہ انگلستان کے محل کے عین بالمقابل شہر لندن کے مرکز میں واقع ہائیڈ پارک وسیع وعریض خوش رنگ پھولوں اور دیو قامت درختوں پر مشتمل ایک خوبصورت پارک ہے۔اس پارک کے ایک طرف لندن کے مشہور ہوٹلوں کی قطار ہے تو دوسری طرف لندن کی مرکزی شاپنگ سینٹر آکسفورڈ سٹریٹ ہے۔باغ کے عین وسط میں ایک خوبصورت جھیل Serpentine کے نام سے موجود ہے جو 41 ایکڑ رقبہ پر محیط ہے۔یہ گرمیوں میں تفریح اور پکنک کیلئے آئے ہوئے لوگوں کیلئے کشتی رانی کی دلچسپی کا سامان مہیا کرتی ہے تو سردیوں میں جم جانے کے باعث سکیٹنگ کے کام بھی آتی ہے۔جھیل کے دونوں بالمقابل کناروں پر خوبصورت ریسٹورنٹ ہیں جہاں سیاح اپنی پسند کی اشیاء خوردنی حاصل کر کے باغ میں اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ہائیڈ پارک میں صبح سویرے رئیسان شہر گھوڑ سواری کے لئے بھی نکلتے ہیں۔گھوڑوں کی دوڑ کیلئے باغ کے گرد خاص روشیں بنائی گئیں ہیں۔اکثر شاہی خاندان کے افراد بھی منہ اندھیرے گھوڑ سواری کا شغل کرتے نظر آتے ہیں۔ دن بھر پارک میں سیاحوں،طلباء اور ارد گرد کی شاپنگ سے تھکے ماندے خریداروں کا ایک ہجوم رہتا ہے۔کہیں درخت کے پرسکون سایہ میں پناہ لئے کئی طالب علم اپنے مطالعہ میں محو دنیا و مافیہا سے بے خبر نظر آرہے ہیں تو کہیں پورے کا پورا خاندان پکنک کا موڈ لئے کھیل کود میں مگن نظر آتا ہے۔کسی کو کسی سے کوئی غرض نہیں، ہر کوئی اپنے حال میں مست ہے۔ایسے بھی کئی نظر آتے ہیں جو دھوپ (انگلستان میں ایک نعمت غیر مترقبہ ہے) سے لطف اندوز ہونے کے لئے ،ارد گرد کے شور وشغب سے یکسر بے نیاز سرسبز گھاس پر خراٹے لیتے ہوئے لمبی تانے سوتے ہیں۔ہائیڈ پارک کا کل رقبہ 361/ ایکڑ ہے۔

لیکن اس پارک کا سب سے اہم اور دلچسپ حصہ وہ کونہ ہے جسے عام طور پر سپیکرز کارنر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔یہ کونہ ماربل آرچ اور آکسفورڈ سٹریٹ کے عین بالمقابل ہے۔اتوار کے دن یہاں خاصی چہل پہل نظر آتی ہے۔جو چاہے،جس موضوع پر چاہے،جتنی دیر چاہے کھڑے ہو کر تقریر کر سکتا ہے۔مجمع اکٹھا ہو جائے تو ٹھیک ورنہ کئی مقررین تو یونہی بغیر سامعین کے تقریر کئے چلے جارہے ہوتے ہیں۔پارک کے مستقل مقررین اپنے ساتھ ایک مختصر سا پلیٹ فارم بھی لے کر آتے ہیں جس پر کھڑے ہو کر خطاب کرتے ہیں۔خطاب کیلئے کوئی تمہید نہیں ہوتی۔بس کھڑے ہو کر بولنا شروع کیا۔اگر مقرر اچھا ہوا تو مجمع لگ جاتا ہے۔ وگرنہ چند پیشہ ور قسم کے Hecklers جو پارک میں ہر وقت موجود رہتے ہیں،عام مقرر کو جلد سوالات کی بوچھاڑ سے نڈھال کر کے چلتا کر دیتے ہیں۔اسی پارک میں ایک زمانہ میں بڑے بڑے سیاست دان بھی بولتے رہے ہیں۔موجودہ ویلفئر نظام کے بانی مسٹر بیون نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز اسی پارک سے کیا تھا۔بڑے بڑے سوشلسٹ لیڈر یہاں بولتے رہے۔خصوصاً وہ دَور ہائیڈ پارک کارنر کا سنہری دَور ہے جب ابھی ٹی وی وغیرہ ایجاد نہیں ہوئے تھے اور لوگوں کو شام گزارنے کے لئے آج کے زمانہ کی طرح مختلف النوع تفریحات کے سامان میسر نہ تھے۔اتوار کے روز سرِشام ہی ہائیڈ پارک کارنر میں جمگھٹا لگنا شروع ہو جاتا تھا۔لوگوں کا اژدہام قابل دید ہوتا تھا۔تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر مقررین اپنے فن خطابت کا مظاہرہ کر رہے ہوتے تھے لیکن مجال ہے کہ کوئی بلوہ یا فساد ہو جائے۔پولیس دُور تک بھی نظر نہ آتی تھی۔گرما گرم بحثیں بھی ہوتی تھیں۔شام کو مجمع چھٹ جاتا اور لوگ اردگرد کے ریسٹورنٹوں میں گھس جاتے۔مقررین اپنے پلیٹ فارم یعنی لکڑی کے سٹول بغلوں میں دبائے اپنی راہ لیتے اور ہائیڈ پارک اگلے اتوار تک کے لئے پھر محض سیر وتفریح اور سیاحوں کا مرجع بنا رہتا۔ہائیڈ پارک کارنر کی کیفیت اب خاصی بدل گئی ہے۔وہ سنجیدگی نہ تو اب سامعین میں ہے اور نہ مقررین میں جو اس پارک کا طرۂ امتیاز ہوا کرتی تھی۔اکثر مقررین غلیظ زبان استعمال کرتے ہیں اور عوام یعنی سامعین کو سنجیدہ خیالات سے روشناس نہیں کراتے۔اب تو پولیس بھی نظر آنے لگ گئی ہے۔کبھی کبھار تو ہاتھا پائی کی نوبت آنے لگ جاتی ہے۔اگر یہی چلتا رہا تو ممکن ہے کسی وقت حکومت برطانیہ کو یہ قدیم روایتی کارنر تقاریر کے لئے بند کرنا پڑے۔

پارک میں بعض مقررین نہایت سنجیدہ اور مستقل مزاج بھی ہیں جو پچھلی نصف صدی سے بلا ناغہ ہر اتوار کو آکر تقریر کرتے ہیں اور سب سے بڑا مجمع انہیں کا ہوتا ہے۔ان میں عیسائی بھی ہیں، سوشلسٹ بھی ہیں، دہریہ بھی ہیں اور یونیٹیرین بھی۔ایک صاحب کو میں نے پچھلے بائیس سال سے متواتر ہائیڈ پارک میں آتے دیکھا ہے۔یہ گویا خاموش مقرر ہیں اور وہ اس طرح کہ انہوں نے ایک بڑے سائز کے کاغذ پر خوبصورت انداز میں یہ فقرہ لکھا ہوا ہے ,The end is at hand repent کہ قیامت کی گھڑی سر پر ہے،توبہ کرو۔یہ کوئی تقریر نہیں کرتے بس اس پلے کارڈ کو اونچا اٹھا کر کارنر کا چکر لگاتے رہتے ہیں۔ہاں کھڑا کر کے کوئی سوال پوچھے تو بائبل کھول کر آخری زمانہ کی علامات کو اس پر منطبق کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ان کا حوصلہ قابل داد ہے۔یہ کسی مشن کو Represent نہیں کرتے، بذات خود ایک مشن ہیں۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جو شخص ہائیڈ پارک کارنر میں تقریر کرنے میں کامیاب ہو جائے اس کے اچھے مقرر ہونے میں پھر کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔کیونکہ یہاں سوالات کی بوچھاڑ کے علاوہ پیشہ ور قسم کے Hecklers ناک میں دم کر دیتے ہیں جو بعض اوقات ذلّت کی حد تک جا پہنچتے ہیں۔جو مقرر ان Hecklers سے نپٹ کر ان کو خاموش کر سکے،اس کو پھر دنیا کے کسی مجمع کا خوف نہیں رہتا۔اس لئے بعض تنظیمیں ہائیڈ پارک کارنر کو بطور مدرسہ کے بھی استعمال کرتی ہیں۔ہر ہفتہ چند نوجوان عیسائی راہب اپنے استاد کی زیر نگرانی یہاں تقاریر کرتے ہیں۔استاد قریب کھڑا ہوتا ہے اور بوقت ضرورت ان کی رہنمائی کرتا اور پبلک کے مشکل سوالات کے جوابات بھی دیتا ہے۔

عام طور پر تقاریر زبانی ہوتی ہیں۔میں نے کسی کو لکھی ہوئی تقریر پڑھتے

ہوئے نہیں دیکھا۔ چونکہ پارک میں لاؤڈ سپیکر کا استعمال ممنوع ہے اس لئے مقرر کو اپنی آواز بلند رکھنے میں بھی خاصی مہارت ہونی چاہئے تاکہ دور دور تک لوگ اس کی تقریر کو سمجھ کر اس سے لطف اندوز ہو سکیں۔ غرضیکہ ہائیڈ پارک کا سپیکرز کارنر انگلستان کی ایک زبردست انسٹیٹیوشن ہے جہاں آزادیٔ تقریر کا اعلیٰ نمونہ نظر آتا ہے۔

ہائیڈ پارک کے سپیکر کارنر میں اسلام کو متعارف کرانے کا سہرا احمدی مبلغین کے سر بندھتا ہے۔ سب سے پہلے انہوں نے ہی وہاں اسلام کی باقاعدہ تبلیغ کا کام شروع کیا اور اسی جگہ سے ہمیں بہت سارے ابتدائی نومسلم بھی ملے۔ ہائیڈ پارک کارنر کے ثمرات میں سے مرحوم بلال نٹل صاحب بھی تھے، جن کو لندن مسجد کے افتتاح کے موقع پر اذان دینے کی سعادت نصیب ہوئی۔

حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ہمارے انگلستان کے پہلے مبلغ ہیں۔ آپ 1913ء میں عازم انگلستان ہوئے۔ وہاں جا کر آپ نے محسوس کیا کہ ہائیڈ پارک کارنر میں روحانی فتح کا کام جاری کر دینا چاہئے۔ چنانچہ آپ نے ہائیڈ پارک کارنر میں ایک سلسلہ تقاریر کا شروع کیا جو نہایت کامیاب رہا۔ ان کی روداد ان ہی کی زبانی سنئے۔ فرماتے ہیں:

"میں ہفتہ کے روز ہائیڈ پارک میں گیا۔ مختلف مذاہبوں اور سوسائٹیوں کے لیکچرار موجود تھے لیکن سب سے زیادہ مجمع دہریہ لوگوں کے ارد گرد تھا۔ میں بھی وہاں کھڑا ہو گیا۔ پہلے ایک دہریہ لیکچرار کھڑا ہوا۔ اس نے عہدنامہ عتیق اور حضرت موسیٰؑ پر چند اعتراضات کئے اور پھر ان اعتراضات کو وسیع کر کے تمام مذاہب اور خدا تعالیٰ کے ماننے والوں پر اعتراضات شروع کر دئے۔ اس کے بعد اس نے اس کی مخالفت میں کہنے کے لئے 15 منٹ دئے۔ حاضرین میں سے اکثر دہریہ اور چند عیسائی تھے۔ کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ منبر پر آئے۔ میں نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر 15 منٹ کے لئے خدا تعالیٰ کی ہستی کے متعلق چند عام فہم باتیں کیں اور زیادہ زور الہام اور وحی پر دیا اور اس بات کو بیان کرنے کی کوشش کی کہ علوم، جو انسان الہام یا وحی کے ذریعہ سے حاصل کرتا ہے، ایسے ہی قابل اعتبار، یقینی اور مضبوط ہیں جیسے کہ وہ علوم جو ہم حواس خمسہ کے ذریعہ حاصل کرتے ہیں۔ اس کے بعد دہریہ لیکچرار کی باری تھی۔ اس نے مجھے ہنسی میں اڑانے کی کوشش کی اور کہا کہ انگلستان میں بہت سے نبی گزر چکے ہیں اور پگٹ ابھی زندہ ہے اس لئے ہمیں کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں۔ پھر چونکہ وقت ملنے کی امید نہ تھی اس لئے میں ان لوگوں سے علیحدہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔ حاضرین میں سے چند لوگ میرے گرد کھڑے ہو گئے اور الہامات و وحی کے متعلق پوچھنا شروع کر دیا۔"

اس ابتداء کے بعد یہ سلسلہ چلتا رہا۔ اور ایک لمبے عرصے تک ہائیڈ پارک میں اسلام اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا نام نامی ہمارے مبلغین کے ذریعہ سے لیا جاتا رہا۔ فالحمد للہ۔ چنانچہ حضرت یعقوب علی صاحب عرفانی یورپ کی سیاحت کے سلسلہ میں انگلستان تشریف لائے تو لندن میں قیام کے دوران باقاعدہ ہائیڈ پارک میں تقریر کرتے رہے۔ ہمارے مرحوم بھائی مسٹر بلال نٹل انہی کے ذریعہ سے داخل احمدیت ہوئے تھے۔

ابتداء میں ہمارا مشن ہاؤس بھی ہائیڈ پارک سے متصل واقع تھا۔ چنانچہ مبلغین یہاں سے دلچسپی رکھنے والے انگریزوں کو لے جاتے اور مشن میں تبلیغ کے علاوہ ان کو لٹریچر بھی دیتے۔ حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحبؓ، حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ، حضرت مولوی عبد الرحیم صاحب نیرؓ، حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ، حضرت میر عبدالسلام صاحبؓ، حضرت عزیز دین صاحبؓ (والد عبدالعزیز دین صاحب) اور حضرت مولانا شمس صاحبؓ کا نام نامی ان لوگوں میں سرفہرست ہے جنہوں نے ہائیڈ پارک کارنر میں اسلام کے معرکے سر کئے۔

حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ نے ہائیڈ پارک کارنر میں اسلام کی کامیاب جنگ لڑی۔ تفصیل اس کی یوں ہے کہ 1944ء میں ہائیڈ پارک کارنر کے ایک مشہور عیسائی سپیکر مسٹر گرین ہوا کرتے تھے۔ یہ ہر ہفتہ اپنی تقاریر میں اپنے عقیدہ کی نشر و اشاعت کیا کرتے تھے کہ 1950ء میں یسوع مسیح کا نزول ہوگا۔ انہوں نے ایک رسالہ The Kingdom News کے نام سے بھی جاری کر رکھا تھا۔ حضرت مولانا شمس صاحب نے ہائیڈ پارک کارنر میں ہی ان سے چھ کامیاب مباحثے کئے۔ ان مباحثات سے ان کی دھوم مچ گئی اور مسٹر گرین کو بالآخر راہ فرار اختیار کرنی پڑی۔ پہلا مباحثہ 6 جون 1944ء کو ہوا۔ موضوع یہ قرار پایا کہ مسٹر گرین دو گھنٹے میں قرآن مجید پر جتنے اعتراضات کرنا چاہیں ایک ایک کر کے پیش کریں اور حضرت مولوی صاحب اس کا جواب دیں گے۔ لیکن اس روز ایسا تصرف الٰہی ہوا کہ عام طور پر جو اعتراضات وہ پہلے مباحثات میں کیا کرتے تھے، وہ بھی پیش نہ کر سکے اور جو نوٹ لکھے وہ بھی غلط تھے۔ دوسرا مباحثہ 16 جون 1944ء کو ہوا۔ اس روز حضرت مولانا شمس صاحبؓ نے اناجیل پر زبردست اعتراضات کئے جن کا مسٹر گرین کوئی جواب نہ دے سکے۔ بعض کے متعلق کہا کہ میں نے یہ پہلے کبھی نہیں سنا اور اکثر کی نسبت جواب دیا کہ مَیں تیاری کر کے جواب دوں گا۔ تیسرے مباحثہ میں مسٹر گرین کی باری قرآن مجید پر اعتراضات کرنے کی تھی۔ مباحثہ شروع ہوا اور انہوں نے جنّات کے بارے میں سوال کر دیا۔ حضرت مولانا شمس صاحبؓ نے فرمایا کہ آیتِ قرآنی میں جنّات سے مراد الف لیلہ والے جنّ نہیں بلکہ اس سے مراد بڑے لوگ اور لیڈر ہیں۔ مسٹر گرین نے کہا کہ جب تک آپ کسی انگریزی ترجمہ کو صحیح اور مستند نہیں مان لیتے مَیں مباحثہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تراجم شخصی ہیں مَیں ان کو صحیح مانتا ہوں لیکن اگر کسی جگہ مَیں سمجھوں کہ ترجمہ صحیح نہیں کیا گیا اور عبرانی زبان کی رُو سے اس کی غلطی ثابت کر دوں تو مجھے ایسا کرنے کا حق حاصل ہے۔ انجیل کے موجودہ تراجم جو کہ سوسائٹیوں کی طرف سے شائع کئے گئے ہیں ان کے بعض الفاظ کے ترجمہ کے متعلق آپ خود یہ کہتے رہے ہیں کہ اصل یونانی لفظ یہ ہے اور اس کا صحیح یہ ہے۔ جب آپ سوسائٹیوں کے مستند ترجمے کی غلطی نکالنے کا حق رکھتے ہیں تو مجھے یہ کیوں حق نہیں کہ کسی ایک شخص کے ترجمہ میں اگر غلطی ہو تو وہ ظاہر کر دوں۔ لیکن وہ یہ کہہ کر کہ چونکہ یہ انگریزی ترجمہ کو صحیح نہیں مانتے اس لئے مَیں مباحثہ نہیں کرتا، اپنا پلیٹ فارم اٹھا کر دوسری جگہ چلے گئے اور حاضرین نے سمجھ لیا کہ مسٹر گرین نے راہ فرار اختیار کی ہے۔ چوتھا مباحثہ 6 جولائی 1945ء کو حضرت مسیح علیہ السلام کی صلیبی موت پر ہوا۔ حضرت مولانا شمس صاحبؓ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے صلیب سے زندہ اترنے کی تائید میں انجیل سے چھ حوالے پیش کئے۔ مسٹر گرین کسی ایک کا بھی

جواب نہیں دے سکے۔ پانچواں اور چھٹا مباحثہ 13 اور 27 جولائی 1945ء کو ہوا جن کی تفصیل خود حضرت مولانا صاحب کی زبانی سنئے۔ فرماتے ہیں:

''13 جولائی کو موضوع بحث یہ تھا کہ اگر مسیح صلیب پر نہیں مرے اور زندہ اتارے گئے تو وہ اس کے بعد کہاں چلے گئے۔ میں نے پہلے بیس منٹ میں یہ بیان کیا کہ حضرت مسیح صلیب پر سے زندہ اتارے گئے۔ پھر اپنے شاگردوں سے ملے۔ ان کے ساتھ کھانا کھایا اور چالیس روز کے بعد ان کو الوداع کہی۔ وہ کہاں گئے، اس کے متعلق میں نے پہلے سڈنی کے ڈسٹرکٹ جج مسٹر ڈاکر اور ایک جرمن پروفیسر کی تحقیقات پیش کیں، جس میں انہوں نے حضرت مسیح کے صلیب پر سے زندہ اتارے جانے اور بالآخر طبعی موت پانے کا اقرار کیا ہے۔ پھر میں نے اناجیل سے مسیح کا صحیح مشن بتایا۔ پھر یہ کہ وہ پہلے دمشق گئے وہاں سے نصیبین اور نصیبین سے ہندوستان پہنچے اور ان کی قبر سری نگر کشمیر میں موجود ہے۔ جواباً مسٹر گرین نے اناجیل کے حوالے پڑھنے شروع کر دئے کہ مسیح نے صلیب پر مرنا تھا اور یہ کہ وہ صلیب پر مر گئے۔ میں نے کہا کہ ان حوالوں پر گذشتہ ہفتہ بات ہو چکی ہے اور اناجیل میں بہت سی باتیں خلاف واقعہ درج ہیں۔ مثلاً ایک پاگل سے بدروحوں کا نکالنا جو کہ قریباً 2000 تھیں۔ مسٹر گرین نے کہا کہ ایسا کہیں نہیں لکھا۔ میں نے مرقس سے دکھایا کہ وہ خنازیر جن میں وہ بدروحیں داخل ہوئیں، قریباً 2000 تھیں۔ 20 جولائی کو مسٹر گرین نے ٹیلی فون پر کہا کہ وہ بوجہ زکام مباحثہ نہیں کر سکیں گے۔ 27 جولائی کو مسٹر گرین نے مسیح کے مُردوں میں سے جی اٹھنے پر تقریر کی۔ لیکن کوئی نئی بات نہ بیان کی... آخر مباحثات میں پے در پے شکست کھانے کے بعد مسٹر گرین نے مسٹر عبدالعزیز دین صاحب کو خط لکھا اور آئندہ مباحثہ کرنے سے اس بنا پر انکار کر دیا کہ میرے دلائل بے فائدہ اور بے نتیجہ ہیں۔ 3 اگست کو اس کا خط برادرم عبدالعزیز صاحب نے پڑھ کر سنایا... اس طرح مسٹر گرین کے مباحثہ سے فرار اختیار کرنے کی وجہ سے یہ مباحثات بند ہوگئے۔'' (الفضل 12 اکتوبر 1945ء)

ان مباحثات کا چرچا برطانوی پریس میں بھی خوب ہوا۔ مثلاً سوسائٹی فار دی سٹڈی آف ریلیجنز کے سہ ماہی آرگن نے لکھا:

"The Imam of the London Mosque has come into arena of open debate in London recently and is very energetic in presenting his faith to christian opponants. The Imam is very skilful in presenting his case and quotes literally from the Bible."

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مسٹر عبدالعزیز دین صاحب، جن کا ذکر اوپر ہوا ہے، ہمارے لندن مشن کے ایک نہایت فعّال، مخلص اور دیندار بزرگ تھے۔ آپ 1928ء میں انگلستان تشریف لے آئے تھے۔ آپ ان مباحثات کے دوران Time keeper کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ ایک دفعہ 1966ء میں خاکسار اور مکرم عبدالعزیز دین صاحب ہائیڈ پارک کارنر میں تبلیغ کے سلسلہ میں گئے تو مکرم عزیز دین صاحب نے ایک بنچ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ دیکھیں مسٹر گرین بیٹھے ہیں۔ مجھے ان سے ملنے کا بہت اشتیاق ہوا۔ ہم دونوں ان سے جا کر ملے۔ بہت تپاک سے ملے۔ جب ہم نے ان کو بتایا کہ مولانا شمس صاحب وفات پا چکے ہیں تو آبدیدہ ہوگئے اور کہنے لگے:

"He was a great scholar of Bible."

1960ء میں ہائیڈ پارک کارنر میں ایک شعلہ بیان مقرر مسٹر جان وبسٹر ہوا کرتے تھے۔ پہلے کمیونسٹ تھے اور کمیونزم پر سالہا سال ہائیڈ پارک کارنر میں تقاریر کیا کرتے تھے۔ پھر یہ مسلمان ہو گئے اور اسلام پر تقاریر کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ خاکسار نے ان کو بہت ساری کتابیں دیں اور مسجد آنے کی دعوت بھی دی جو انہوں نے قبول کر لی۔ ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' سے یہ بہت متاثر ہوئے۔ اگلے ہفتہ ہی ہائیڈ پارک کارنر میں تقریر کرتے ہوئے حضرت اقدسؑ کا ذکر کیا۔ اس پر وہاں خاصہ ہنگامہ ہوا اور ایک احمدی نوجوان کو چوٹیں بھی آئیں لیکن مسٹر وبسٹر بڑی دلیری سے حضرت اقدس علیہ السلام کا ذکر اپنی تقاریر میں کرتے رہے۔

حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ اپنے دورانِ قیامِ انگلستان باقاعدگی سے پارک میں تقریر کیا کرتے تھے اور اچھا خاصہ مجمع اُن کا منتظر ہوا کرتا تھا۔ عجیب بات یہ ہے کہ ان کی ظاہری وجاہت اور روحانی رعب کا اثر تھا کہ کبھی ان کی تقریر کے دوران کسی Heckler کو اُنہیں تنگ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

حضرت میر عبدالسلام صاحب سیالکوٹی بھی ہائیڈ پارک کارنر کے مستقل مقررین میں سے تھے۔ خاکسار نے ان کی کئی تقریریں پارک میں سنیں۔ آپ کو انگریزی زبان میں عبور حاصل تھا۔ بائبل کے حوالہ جات ان کو زبانی یاد تھے۔ آپ کا قد لمبا تھا اور پلیٹ فارم اونچا تھا اس لئے دُور سے تقریر کرتے نظر آجاتے تھے۔

ہائیڈ پارک کارنر کے ساتھ گویا اسلام اور احمدیت کا تعلق نصف صدی سے زائد عرصہ پر محیط ہے اور یہ پارک تاریخ احمدیت کا ایک سنہری باب ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فنِ تقریر کے متعلق فرماتے ہیں: ''ہم چاہتے ہیں کہ ہماری جماعت کے لوگ بھی بولنا سیکھیں اور ان کا طرزِ تقریر ایسا ہو کہ جیسا کہ وہ اعلیٰ درجہ کے لوگوں کے لئے بھی مفید اور ادنیٰ کیلئے بھی فائدہ رساں ہے۔ اصل میں کلام کی عمدگی یہی ہے کہ وہ ہر قسم کے لوگوں کو مطابق حال ہو۔'' (ملفوظات جلد دہم صفحہ 324)

لندن کے ہائیڈ پارک کی ایک یاد...... جان وبسٹر کا قبول احمدیت

خاکسار جب 1959ء میں انگلستان پہنچا تو کچھ ہی عرصہ کے بعد خاکسار نے باقاعدہ ویک اینڈ پر ہائیڈ پارک کارنر جانا شروع کر دیا۔ ان دنوں محترم حضرت میر عبدالسلام صاحبؓ، جن کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ میں سے ہونے کا شرف حاصل تھا، یہاں تقاریر فرمایا کرتے تھے۔ آپؓ کو بفضلہ تعالیٰ انگریزی زبان پر مکمل عبور حاصل تھا۔ عیسائیت کا مطالعہ بھی کافی وسیع تھا۔ اسلام اور عیسائیت کا تقابلی جائزہ اس انداز میں پیش فرماتے تھے کہ بڑے بڑے عیسائی پادریوں کو بھی جواب دینے کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ آپؓ دراز قد، خوبصورت خدوخال کے مالک اور مردانہ حسن کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ خاکسار اُن کی تقریر کے دوران ان کے قریب ہی کھڑا ہوتا تھا اور جب وہ اپنی تقریر کر چکتے تھے تو ان کا وہ ڈبہ، جس پر کھڑے ہو کر وہ تقریر فرماتے تھے، اٹھا کر ان کے ساتھ قریبی ریسٹورنٹ میں چائے نوشی کے لئے چلا جاتا تھا۔ اسی دوران پارک سے چند انگریز نوجوان، جو اُن کی تقریر سے متاثر ہوتے تھے، وہ بھی آجاتے تھے اور پھر وہاں محفل سوال و جواب جم جاتی تھی جو میرے لئے بے حد ازدیادِ علم کا موجب ہوتی تھی اور سچی بات تو یہ ہے کہ میں نے

عیسائیت کی تاریخ، تعلیمات اور فلسفہ کا علم حضرت میر صاحبؓ کی تقاریر اور محفل سوال و جواب سے حقیقی معنوں میں سیکھا۔ میرے لئے یہ ایک عظیم علمی و روحانی درسگاہ تھی۔

جناب جان ویبسٹر صاحب پارک میں مسلسل 30 سال سے ہر ہفتہ اور اتوار کے دن تقریر کیا کرتے تھے اور پارک میں سب سے بڑا مجمع ان کے گرد ہی رہتا تھا۔ یہ پہلے کمیونسٹ تھے اور عموماً ان کی تقاریر کا موضوع کمیونزم ہی ہوا کرتا تھا۔ حضرت میر عبدالسلام صاحبؓ کی وفات کے بعد، جو 1960ء میں واقع ہوئی، مَیں مسٹر ویبسٹر کی تقاریر بڑے دھیان سے سنا کرتا تھا اور ان کا وسیع مطالعہ، فن خطابت اور عیسائیت پر ان کے عبور سے متاثر تھا۔ کبھی کبھار میں ان سے سوال بھی کر لیا کرتا تھا۔ ایک دن جب مسٹر ویبسٹر اپنی تقریر کر چکے اور مجمع چھٹ گیا تو میں ان کے پاس گیا، اپنا تعارف کرایا اور ان سے باہمی تبادلہ خیالات اور گفتگو کے لئے وقت مانگا۔ انہوں نے بتایا کہ تقریر کے بعد وہ سڑک کے پار ایک کیفے میں چائے بھی پیتے ہیں اور جو لوگ ان سے بات کرنے کے خواہشمند ہوتے ہیں، ان سے وہاں گفتگو بھی کر لیتے ہیں۔

اگلے ہفتہ جب مسٹر ویبسٹر اپنی تقریر ختم کر چکے تو میری طرف اشارہ کر کے مجھے ریسٹورنٹ چلنے اور بات کرنے کی دعوت دی۔ مَیں اُن کے ساتھ چل پڑا۔ چند یوروپین ان کی مدد کے لئے ان کے ساتھ تھے۔ ہم کیفے میں چلے گئے اور چائے کا دَور شروع ہوا، جس کا اہتمام اُن کے مداحین کیا کرتے تھے۔

گفتگو کا آغاز اسلام اور احمدیت کے پیغام سے ہوا۔ خاکسار نے انہیں تفصیل سے حضرت محمد ﷺ کے پیغام اور ان کی تعلیمات سے روشناس کرانے کی کوشش کی۔ گفتگو کے اختتام پر میں نے اُنہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کا انگریزی ترجمہ پیش کیا جو انہوں نے بڑے شوق سے قبول کر لیا اور وعدہ کیا کہ وہ اس کتاب کا بغور مطالعہ کریں گے۔

مسٹر ویبسٹر کی اہمیت اور قابلیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حال ہی میں ایک کتاب ''سپیکرز آف دی ہائیڈ پارک'' شائع ہوئی ہے جس میں ہائیڈ پارک کے مشہور مقررین کا تذکرہ ہے۔ اس کتاب میں مسٹر ویبسٹر کا ذکر سب سے زیادہ اور نمایاں ہے اور کئی صفحات پر مشتمل ہے۔

ملاقاتوں کا یہ سلسلہ کئی ہفتے جاری رہا۔ خاکسار انہیں وقتاً فوقتاً سلسلہ کی مطبوعات اور قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ دیتا رہا۔ ایک دن تقریر ختم ہونے پر مسٹر ویبسٹر نے مجھے اپنے ساتھ کیفے چلنے کی دعوت دی اور کہنے لگے کہ مَیں نے اپنے دوسرے مداحین کو ساتھ چلنے سے روک دیا ہے۔ مَیں تم سے الگ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ مَیں ان کے ساتھ چل پڑا۔ کیفے میں چائے کا دَور چلا تو مسٹر ویبسٹر نے مجھے بتایا کہ انہوں نے 'اسلامی اصول کی فلاسفی' کا بغور مطالعہ کیا ہے اور اس دوران یہ کتاب کئی مرتبہ ختم کی ہے اور ہر دفعہ نئے علوم اور مطالب اُن پر کھلے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ میں اس کتاب کو پڑھ کر حضرت مرزا صاحب کی روحانیت، اعلیٰ علمی قابلیت اور اسلام سے ان کی محبت کا گرویدہ ہو چکا ہوں۔ پھر انہوں نے اپنی خواب کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے خواب میں حضرت مرزا صاحب کو دیکھا۔ ان کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح روشن تھا۔ انہوں نے مجھے کہا اب کیا سوچتے ہو؟ اسلام اور احمدیت میں تمہاری بقا ہے، تمہاری نجات ہے! بیدار ہونے پر مَیں اس خواب سے بے حد متاثر تھا۔ میں نے ایسی صاف شفاف خواب پہلے نہیں دیکھی تھی۔ یہ کہہ کر مسٹر ویبسٹر چند منٹ خاموش رہے اور پھر کہا کہ مسٹر رفیق! مَیں احمدیت قبول کرتا ہوں اور آپ کی جماعت میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔ اس کے لئے مجھے جو کچھ بھی کرنا ہے اس کی راہنمائی کرو۔ مَیں نے کہا اگلے ہفتہ میں بیعت فارم اپنے ساتھ لاؤں گا۔ اس کو پڑھ کر اس پر دستخط کر دیں تو آپ جماعت احمدیہ میں داخل ہو جائیں گے۔

کیفے سے باہر آیا تو میرے دل کی عجیب کیفیت تھی۔ آج انگلستان کا ایک عظیم مقرر احمدیت کے جھنڈے تلے پناہ لینے پر مجبور ہوا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خواب میں یا کشف میں جو سفید پرندے پکڑے تھے، یہ ان میں شامل ہو رہا ہے۔ جہاں یہ ان کے لئے ایک عظیم سعادت تھی وہاں میرے بھی ازدیاد ایمان کا باعث تھی کہ خاکسار کی تبلیغ سے انہیں راہ حق نصیب ہوئی۔ میں سیدھا مسجد فضل لندن پہنچا اور درگاہ ایزدی میں سجدہ ریز ہو گیا۔ الحمدللہ، ثم الحمدللہ۔

اگلے ہفتہ کی ملاقات میں مسٹر ویبسٹر نے درخواست کی کہ فی الحال اس بات کو اخفا میں رکھا جائے کہ انہوں نے بیعت کر لی ہے۔ خاکسار نے وعدہ کیا کہ ہائیڈ پارک میں ہرگز ان کے قبول احمدیت کا تذکرہ نہیں ہوگا۔

دو ایک ہفتہ گزر جانے کے بعد ایک دن مسٹر ویبسٹر نے دوران تقریر اپنے احمدی ہونے کا اعلان کر دیا۔ ان کے اردگرد اس وقت سینکڑوں کا مجمع تھا۔ جس میں مسلمان بھی تھے اور مخالفین احمدیت بھی تھے۔ یہ خبر اُن پر بجلی بن کر گری اور وہ سب دم بخود رہ گئے۔ اگلے ہفتہ جب مسٹر ویبسٹر نے تقریر شروع کی تو مخالفین احمدیت میں سے بعض لوگوں نے ان پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ بعض نے انہیں غلیظ گالیاں بھی دیں۔ لیکن مسٹر ویبسٹر پر ان کی بازاری زبان کا کوئی اثر نہ ہوا اور انہوں نے ڈٹ کر احمدیت کی تائید شروع کر دی۔ یہ سلسلہ چند ہفتوں تک جاری رہا۔ ہائیڈ پارک کا رنر میدان کارزار بن گیا۔ مسٹر ویبسٹر نے ان مخالفین احمدیت کے منہ توڑ جواب دیئے اور ان کی علمیت کا پردہ چاک کر دیا۔ یہ سلسلہ جاری تھا کہ ایک دن چند اوباش قسم کے مخالفین نے ان پر حملہ کر دیا۔ مسٹر ویبسٹر کے ہاتھوں پر چوٹیں آئیں۔ خاکسار کو بھی حملہ میں نشانہ بنایا گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا۔ ہمارے ایک مخلص دوست مکرم الیاس ناصر دہلوی کو بھی چوٹیں آئیں۔ پولیس کو مجبوراً دخل دے کر مجمع کو منتشر کرنا پڑا۔ مسٹر ویبسٹر اس کے بعد ایک لمبے عرصہ تک ہائیڈ پارک کارنر میں تقاریر کے دوران احمدیت اور حضرت مسیح موعودؑ کا ذکر کرتے رہے اور بالآخر وہ انگلستان کو مستقلاً خیر آباد کہہ کر آسٹریلیا میں منتقل ہو گئے۔

مسٹر ویبسٹر احمدی ہو گئے تو ایک دن مجھے کہنے لگے کہ میری خواہش ہے کہ تم میرے ساتھ کھڑے ہو کر تقاریر کی مشق کیا کرو۔ لیکن ہائیڈ پارک اس کے لئے مناسب جگہ نہیں ہے۔ وہاں مَیں تو تقریر کر سکتا ہوں لیکن تم فی الحال وہاں تقریر کرنے کی کوشش نہ کرو۔

چنانچہ فیصلہ ہوا کہ ہر ہفتہ کے روز مسجد فضل لندن کے قریبی پارک وانڈز ورتھ کامن میں ایک درخت کے نیچے ڈبہ رکھ کر پہلے ویبسٹر صاحب تقریر کریں گے اور پھر مَیں تقریر کروں گا۔ ہم نے یہ سلسلہ شروع کیا۔ آہستہ آہستہ مجمع لگنا شروع ہو گیا اور یہ سلسلہ دیر تک چلتا رہا۔

محترم مولانا محمد عثمان چو چنگ شی صاحب (المعروف عثمان چینی صاحب)

(محمود احمد ملک)

(قسط دوم ...... آخر)

اس قسط میں محترم مولانا محمد عثمان چینی صاحب کی سیرۃ کے بعض دیگر پہلو اختصار سے پیش ہیں۔

❁ محترم چینی صاحب کی ساری زندگی کا ہر پل صرف اسلام کی خدمت کے لئے وقف تھا خصوصاً چینی قوم میں تبلیغ کے لئے آپ کے دل میں جوش انتہا درجہ پر تھا اور اس کے لئے بے انتہاء محنت، عرق ریزی اور حکمت سے کام کرتے۔ ایک شام جب مَیں حاضر ہوا تو آپ نے اپنی ایک خواب سنائی جس میں چین میں احمدیت کے فروغ سے متعلق اعداد و شمار (سال وغیرہ) بیان کئے گئے تھے۔ پھر فرمایا کہ یہ خواب حضورؓ کی خدمت میں لکھنی ہے۔ چنانچہ ہم نے یہ خواب لکھی۔ اور پھر آپ نے اپنی ایک پرانی خواب (جو غالباً پچاس کی دہائی میں دیکھی تھی) مجھ سے بیان کی۔ اُس خواب میں بھی مختلف سالوں کے حوالہ سے چین میں احمدیت کے غلبہ سے متعلق علم دیا گیا تھا۔ خاکسار نے پوچھا کہ کیا پہلا خواب آپ نے حضرت مصلح موعودرضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا تھا؟ آپ نے اثبات میں جواب دیا تومَیں نے پوچھا کہ حضرت مصلح موعودؓ نے پھر کیا فرمایا تھا؟ آپ نے بتایا کہ حضورؓ نے اُسی وقت زبانی حساب کتاب کرنے کے بعد جب دیکھا کہ یہ غلبہ اتنے لمبے عرصے کے بعد ہوگا یعنی حضورؓ کی زندگی میں تو ممکن نہیں ہوگا تو بڑے درد سے فرمایا: "پھر ہمیں کیا فائدہ!"۔ اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مصلح موعودرضی اللہ عنہ کے دل میں جلد تر غلبۂ اسلام کی کتنی تڑپ تھی۔

محترم چینی صاحب بتانے لگے کہ حضرت مصلح موعودؓ نے اُس وقت یہ بھی فرمایا تھا کہ جب کبھی خواب میں اس طرح کی کوئی مدّت بتائی جاتی ہے تو اُس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اب آرام سے اُس وقت کا انتظار کرو۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اِس وقت کام کی جو رفتار ہے اُس کی بنیاد پر یہ نتیجہ نکل سکتا ہے۔ لیکن اگر آپ نے سُستی اور غفلت کردی تو فتح کی یہ بشارت مؤخر کردی جائے گی لیکن اگر آپ پہلے سے بھی بڑھ کر جوش کے ساتھ اس کام میں مشغول ہوجائیں گے تو فتح کی یہ بشارت اُس وقت سے پہلے بھی پوری ہوسکتی ہے۔ اس کے بعد محترم چینی صاحب نے بتایا کہ حضورؓ کی اس نصیحت کومَیں نے پلّے باندھ لیا تھا۔ لیکن اب دوسری خواب سے معلوم ہوتا ہے کہ اتنے عرصہ کے دوران بھی مَیں کچھ زیادہ کام نہیں کرسکا اور اسی لئے نتیجہ میں زیادہ فرق نہیں پڑا ہے۔ مَیں نے عرض کیا کہ آپ کی کوشش اور دعاؤں سے کم ازکم یہ تو ہوگیا ہے کہ التواء والی بات بھی نظر نہیں آتی۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ سب خدا کے کام ہیں ورنہ مَیں کسی قابل نہیں ہوں۔

محترم عثمان چینی صاحب کبھی کبھار حضرت مصلح موعودرضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بعض دلچسپ واقعات بھی بیان فرماتے تھے۔ جن سے معلوم ہوتا تھا کہ آپ پر حضورؓ کی شفقت کی خاص نظر تھی۔ اور اُن واقعات سے یہ بھی معلوم ہوتا تھا کہ چین میں اور چینی باشندوں میں تبلیغ وغیرہ کے نکتہ نظر سے حضورؓ جاننا چاہتے تھے کہ چینی معاشرہ کی روایات وغیرہ کیا ہیں اور وہاں کی جو معلومات حضورؓ کے علم میں تھیں، اُن میں کس قدر صداقت ہے۔ نیز یہ بھی کہ کمیونسٹ انقلاب کے بعد پیدا ہونے والے حالات کے نتیجہ میں چین کے اندر جو تبدیلیاں رُونما ہوئی ہیں اُن کی تفصیل کیا ہے۔

❁ ایک روز آپ نے فرمایا کہ مَیں نے (پچاس کی دہائی میں) ایک خواب دیکھا تھا کہ مَیں نے لکڑی کا ایک بڑا شہتیر بڑے آرام سے اُٹھالیا ہے جسے بظاہر اٹھانا ناممکن نظر آتا ہے۔ چونکہ آپ کا حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ سے بہت محبت کا تعلق تھا اور حضرت میاں صاحبؓ بھی آپ سے غیرمعمولی شفقت سے پیش آتے تھے۔ اسی لئے آپ بہت سی خوابوں کی تعبیر یا دیگر نہ سمجھ آنے والے علمی مسائل کے لئے حضرت میاں صاحبؓ سے رجوع کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے مذکورہ بالا خواب کی تعبیر بھی حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ سے پوچھی تھی تو انہوں نے فرمایا تھا کہ آپ کو خدمت دین کی راہ میں کسی بہت بڑے کام کی توفیق ملے گی جو بڑے آرام سے مکمل ہوجائے گا۔ چینی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ مَیں سوچا کرتا تھا کہ عربی یا اردو زبان تو مجھے آتی نہیں، بول چال بھی مشکل سے کرتا ہوں۔ اسلام کی کیا خدمت کرسکتا ہوں۔ لیکن دراصل قرآن کریم کا چینی ترجمہ کیا جانا ہی اس کی تعبیر تھی جو کئی سال بعد ظاہر ہوئی۔

آپ بتاتے تھے کہ جب حضرت خلیفۃالمسیح الرابع رحمہ اللہ کی طرف سے قرآن کریم کے چینی ترجمہ کی ذمہ داری آپ پر ڈالی گئی تو آپ نے اپنی بہت سی کمزوریوں کو بنیاد بنا کر عذر بھی پیش کیا لیکن خلیفۂ وقت کی طرف سے یہی ارشاد ملا کہ آپ دعا کے ساتھ کام شروع کردیں اور نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں۔ چنانچہ سالہا سال کی محنت شاقہ کے بعد خدا تعالیٰ نے ایسا عظیم الشان ترجمہ مکمل کرنے کی توفیق بخشی جس نے چینی علماء کو بے ساختہ اس کی تعریف کرنے پر مجبور کردیا۔

ایک موقع پر جب آپ نے مذکورہ بالا خواب مجھ سے بیان کیا تو مَیں نے عرض کیا کہ شہتیر تو آپ نے اٹھالیا ہے گویا کہ چھت ڈالنے کی بنیاد رکھ دی ہے۔ اب باقی کام نسبتاً آسان ہوگا اور چھت بھی جلدی ڈال دی جائے گی۔ اس پر آپ افسردہ ہوگئے اور فرمایا کہ اگر یہ غلبہ والی بات میرے مرنے کے بعد ہوئی تو پھر مجھے کیا فائدہ، مَیں تو اسی لئے ہر وقت اس کام میں مصروف ہوں کہ شاید یہ غلبہ میری زندگی میں ہی ہوجائے۔

آپ نے بارہا یہ بھی کہا کہ مَیں سیر اور حسب توفیق ورزش وغیرہ ضرور کرتا ہوں اور اپنی صحت کا بھی صرف اسی لئے خیال رکھتا ہوں تاکہ زیادہ دیر تک اور بڑی عمر ہونے تک بھی کام کرنے کی توفیق ملتی جائے۔ کیونکہ ایسی زندگی تو بے فائدہ ہوتی ہے جس میں دین کی کوئی خدمت نہ ہوسکے۔

❁ محترم عثمان چینی صاحب کو اپنی والدہ سے بے انتہا محبت تھی اور چونکہ مَیں نے بچپن میں آپ کی والدہ کو دیکھا ہوا تھا اس لئے جب بھی مَیں اپنی یادداشت کے

مطابق آپ کی والدہ محترمہ کی پاکیزہ معصوم سی صورت اور اُس زمانہ میں چینی روایات کے مطابق پاؤں کے چھوٹے سائز وغیرہ کو بیان کرتا تو آپ مسکراتے ہوئے سنتے رہتے اور پھر خود بھی اُن کی کوئی نہ کوئی بات بتاتے۔

کبھی کبھار محترم عثمان چینی صاحب اپنی والدہ مرحومہ کا نہایت محبت سے ذکر خیر کرتے ہوئے اُن کے بعض روحانی پہلو بیان فرمانے لگتے۔ ایک بار بتایا کہ چونکہ انہیں عربی زبان میں ادائیگی مشکل تھی اور بڑھاپا بھی تھا جس کی وجہ سے وہ کوشش کے باوجود درود شریف کے عربی الفاظ زبانی یاد نہ کرسکتی تھیں۔ اس پر آپ نے اُنہیں چینی زبان میں درود شریف کا ترجمہ سکھا دیا تھا جسے وہ ہر وقت پڑھتی رہتی تھیں۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ اُن کا زندہ تعلق قائم تھا اور بے شمار مواقع پر خدا تعالیٰ نے اُن کو مختلف معاملات سے متعلق سچی خبریں دی تھیں۔

ایک بار محترم عثمان چینی صاحب نے فرمایا کہ جب چینی حکومت کی پابندیوں کی وجہ سے میری بیوی کے چین سے پاکستان آنے کی صورت پیدا نہیں ہو رہی تھی اور میری عمر بڑھتی جا رہی تھی تو ایک بار میری والدہ نے حالات سے پریشان ہو کر اللہ تعالیٰ سے فلاں فلاں باتیں کی تھیں اور اللہ تعالیٰ نے فلاں فلاں کلمات کے ذریعہ اُن کی تسلّی کا سامان کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے محترم چینی صاحب کی والدہ محترمہ کو اُس وقت جو خوشخبریاں دیں اُن میں یہ بھی تھیں کہ آپ (محترم چینی صاحب) کی بیوی چین سے پاکستان آجائے گی، نیز آپ کو ایسی اولاد بھی عطا ہوگی جو نہ صرف دنیاوی لحاظ سے ترقی کرے گی بلکہ تربیت کے لحاظ سے بھی نیکی پر قائم رہے گی۔

ایک بار مَیں نے پوچھا کہ آپ کی والدہ کو کیسے پتہ چلتا تھا کہ وہ خدا تعالیٰ سے ہی محو گفتگو ہیں اور اُن کی باتوں کا جواب دینے والا اُن کا خالق ہی ہے۔ آپ کہنے لگے کہ مَیں نے بھی اُن سے پوچھا تھا۔ وہ کہتی تھیں کہ جس طرح کسی دھاتی پلیٹ پر ہلکی سی ضرب لگائی جائے اور ایک مسحور کُن آواز پیدا ہو جو دیر تک فضا میں گردش کرتی رہے، اس طرح کی آواز اُن کے سوال کے جواب میں سنائی دیتی تھی اور اُس پُرلطف آواز میں سے ہی الفاظ اُن کے ذہن میں خود بخود منتقل ہوتے چلے جاتے تھے۔

اسی طرح میرے ایک سوال پر کہنے لگے کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کوئی بات بتاتا ہے تو بتانے کا طریق یا ذریعہ کوئی بھی ہو، اُس بات میں کوئی ابہام نہیں ہوتا بلکہ واضح رہنمائی پائی جاتی ہے۔

❁ محترم چینی صاحب کو اپنی فیملی سے انتہائی محبت تھی اور اپنی مصروفیات کے باوجود حتی الامکان اپنی بیوی اور بچوں کے جذبات اور احساسات کا خیال رکھتے تھے۔ لیکن اپنے ایسے پروگراموں کو بھی حتی المقدور اس انداز میں ترتیب دیتے کہ جماعتی خدمات کے متفرق پہلو بھی پیش نظر رہتے۔ ایک دو بار یوکے میں اپنی فیملی کے ساتھ سفر بھی کیا تو سیر کے ساتھ دینی خدمت بھی بجالاتے رہے۔

محترم چینی صاحب نے ایک بار مجھے فرمایا کہ لمبے عرصے سے میری بیوی اور بچے میرے کاموں کی وجہ سے کہیں نہیں جاسکے۔ مَیں چاہتا ہوں کہ اس سال ہم جرمنی کے جلسہ میں شامل ہوسکیں اور اگر آپ ہماری کار کو ڈرائیو کرکے جرمنی لے جاسکیں تو مَیں حضور سے اجازت لیتا ہوں۔ چنانچہ خاکسار کو یہ سعادت ملی کہ ڈرائیو کرکے آپ کو اور آپ کی فیملی کو یورپ لے کر گیا۔ اس لمبے سفر کے دوران بھی محترم چینی صاحب کی شفقت اور دوسروں کا خیال رکھنے کے کئی انداز دیکھے۔ اور وہ قولِ رسول ﷺ یاد آیا کہ کسی کے بارے میں جاننا ہو تو اُس کے ساتھ سفر کرکے دیکھ لو۔

آپ کے شفیق سلوک کو دیکھتے ہوئے آپ سے ایسا تعلق ہو جاتا تھا کہ آپ کی خدمت کرنے اور آرام پہنچانے کو جی چاہتا تھا۔

❁ اسی طرح ایک بار اپنے بڑھاپے اور کمزوری کے باوجود اپنی فیملی کو آپ نے چین بھجوانے کا اہتمام فرمایا۔ آپ اکیلے اسلام آباد میں مقیم رہے۔ باوجود اصرار کے آپ نے مجھے اجازت نہیں دی کہ مَیں آپ کے لئے کھانا مہیا کرنے کا مستقل انتظام کردوں۔ سارا دن کیسے گزرتا تھا مجھے علم نہیں لیکن جب رات کو مَیں حاضر ہوتا تو معمولی سی کوئی چیز، کوئی مچھلی فرائی کرلیتے یا فریزر سے نکال کر کوئی معمولی سا کھانا گرم کرکے کھالیتے جو آپ کی اہلیہ جانے سے قبل پکا کر فریز (Freeze) کرگئی تھیں۔ اگر مَیں اصرار سے بھی کھانا لانے کا پوچھتا تو یہی جواب دیتے کہ میرے پاس کئی چیزیں فریزر میں موجود ہیں اور یہ بھی کہ دوسرے لوگ نہیں جانتے کہ مجھے کیسا کھانا پسند ہے۔ اکثر آپ پہلے سے فریز کیا ہوا کھانا گرم کرکے، یا کوئی چیز صرف اُبال کر یا فرائی کرکے اور ہلکا سا نمک ڈال کر کھالینا زیادہ پسند کرتے تھے۔

خود تو سادگی کا مرقع تھے اور حتی المقدور دوسروں پر بوجھ نہیں بنتے تھے لیکن دوسروں کی خدمت کرنے کا انداز بالکل جُدا تھا۔ مجھے یاد نہیں کہ اسلام آباد میں مقیم بغیر فیملی کے کوئی ایسا فرد ہو جو بیمار ہوجائے تو آپ اور آپ کی اہلیہ اُس کی خدمت کے لئے کمربستہ نہ ہوجائیں۔ بیمار کے لئے بغیر اُس کے تقاضے کے مناسب کھانے اور دوا کا انتظام بھی ہوتا اور دعاؤں کا اہتمام بھی۔ کئی بار حیرت ہوتی کہ غضِّ بصر کے باریک پہلوؤں کو ملحوظ رکھنے کے باوجود بھی آپ اپنے اردگرد کے حالات سے باخبر رہتے تھے۔ دوسروں کی تکلیف کو خود محسوس کرتے اور اُنہیں آرام پہنچانے کی ہرممکن کوشش کرتے۔ خدمت، دین کی ہو یا مخلوق کی، دل کی گہرائی سے اور محض لِلّٰہ کرتے اور اُس کے لئے مشقّت برداشت کرتے لیکن چہرے بُشرے سے ہمیشہ بشاشت عیاں رہتی۔

❁ قریباً بیس سال قبل آپ کی صحت اگرچہ نسبتاً اچھی تھی لیکن عمر ستّر سال سے تجاوز کرچکی تھی۔ لیکن اُس عمر میں بھی آپ اتنی محنت کرتے کہ جسے سوچ کر بھی انسان تھک جائے۔ دن بھر کام کرنے کے باوجود قریباً ہر موسم میں رات کا کھانا کھا کر نماز عشاء ادا کرنے کے کچھ دیر بعد آپ دفتر آجاتے۔ ایک دو گھنٹوں بعد آپ کی اہلیہ محترمہ گھر سے قہوہ اور کچھ کھانے پینے کا سامان لے کر دفتر چھوڑ جاتیں۔ کرسی پر بیٹھے ہوئے چند لمحے سونے کے بعد اور کچھ قہوہ وغیرہ پینے کے بعد چینی صاحب مزید کام کرنے کے لئے تازہ دَم ہوجاتے۔ اگر کسی دن دفتر میں محترم چینی صاحب اکیلے ہوتے تو پھر آپ کی اہلیہ بھی گھر جانے کی بجائے اکثر خدمت کے لئے وہیں رُک جاتیں۔ جس حد تک بھی ممکن ہوتا اپنے قابل فخر خاوند کی خدمت کا حق دفتر میں بھی ادا کرنے کی کوشش کرتیں اور پھر رات گئے اُن کو ساتھ لے کر گھر جاتیں۔ ایک لمبا عرصہ خاکسار روزانہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔ کبھی دفتر میں کرسی پر بیٹھے ہوئے آپ سو جاتے۔ کبھی آپ کو کرسی پر بیٹھے بیٹھے دبانا شروع کرتا۔ مجھے حیرت ہوتی کہ آپ نے کبھی نہیں روکا بلکہ واقعتاً آرام محسوس کرتے۔ مجھے اس بات پر زیادہ حیرت تھی کہ اتنی تکان اور تکلیف کے باوجود کبھی ازخود مجھے یہ نہیں کہا کہ مجھ کو دبا دو۔ کئی بار رات گئے آپ کو گھر تک چھوڑنے گیا تو آپ کی تکان دیکھ کر عرض کیا کہ لائیں تھوڑا سا دبا دُوں۔ آپ اپنے ڈرائینگ روم کے فرش پر ایک گدّا ڈال کر لیٹ جاتے اور مَیں پاؤں سے دبانا شروع کرتا تو چند منٹ میں ہی

سو جاتے۔ مَیں حسب توفیق کچھ وقت ٹانگوں پر مساج کرتا۔ پھر Frozen shoulder پر مساج کرتا۔ اس دوان آپ کے خراٹوں اور پُرسکون نیند سے لطف اندوز ہوتا اور پہلے سے قریب رکھا ہوا کمبل آپ کو اوڑھا کو خاموشی سے باہر نکل جاتا۔ جب اگلے دن ملتے تو پوچھتے کہ رات کب گئے تھے۔ یہ اظہار کرتے کہ تم نے اتنی تکلیف برداشت کی۔ پھر اپنے کام کی زیادتی کا بھی ذکر کرتے اور کہتے کہ صحت کے بغیر دین کی خدمت بھی نہیں ہوسکتی اس لئے اس بارہ میں احتیاط کرنی چاہئے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ صحت قائم رکھنے کے لئے اپنی زندگی میں چند اصولوں پر ہمیشہ گامزن رہے۔ حتی المقدور ورزش کرنے کی کوشش کرتے۔ سادہ اور عمدہ غذا کا استعمال کرتے۔ ہمیشہ نیم گرم پانی پیتے۔ مرچ مصالحوں سے پرہیز کرتے۔ دعوتوں کے مواقع پر بھی ایسی چیزیں استعمال کرتے جو مصالحوں سے پاک ہوتیں۔ بعض تقاریب میں جہاں آپ کے کھانے کے لئے سلاد وغیرہ کے علاوہ کچھ موجود نہ ہوتا تو وہاں سالن میں سے بوٹی نکال کر اسے پانی کے گلاس میں ڈال کر اُس کا مصالحہ اُتارتے اور پھر کھا لیتے۔ کبھی بھی کسی قسم کا شکوہ نہ کرتے اور نہ کبھی اس طرح اظہار کرتے کہ گویا آپ کھانے سے محروم رہے ہیں۔ بے حد صابر و شاکر انسان تھے۔

✿ کئی سال آپ کے ساتھ مَیں نے رضاکارانہ طور پر خدمت کرنے کی توفیق پائی۔ بلاشبہ غلطیاں بھی ہوئیں۔ کئی بار وعدے کر کے مَیں کسی مجبوری کی وجہ سے پورے نہیں کرسکا، بارہا پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق حاضر نہ ہوسکا اور آپ رات گئے تک دفتر میں انتظار بھی فرماتے رہے لیکن (چونکہ اُس زمانہ میں ٹیلیفون اور موبائل فون اس طرح دستیاب نہ تھے اس لئے) آپ کو اطلاع بھی نہ دے سکا۔ کئی کام آپ کی مرضی کے خلاف بھی سرزد ہو جاتے۔ لیکن آپ کی یہ بہت بڑی خوبی تھی کہ آپ نے ساری زندگی مجھے کبھی نہیں ڈانٹا۔ اکثر آپ سے مذاق وغیرہ بھی کرتا رہتا اور آپ ایک خاص انداز سے مسکراتے رہتے اور لطف اندوز ہوتے۔ کبھی چینی قوم میں مروّجہ لطائف یا نصیحت آموز واقعات بھی سناتے۔ اگر فوری طور پر میرا کیا ہوا مذاق سمجھ نہ سکتے اور وضاحت کرنے پر جب سمجھ لیتے تو کھلکھلا کر ہنستے اور بعض اوقات اُس کو دہرایا کرتے۔ اگر کبھی مَیں آپ کے کسی خط میں لکھے گئے الفاظ سے اختلاف کا اظہار کرتا۔ تو پھر بھی آپ ناراض نہیں ہوئے اور نہ کبھی ڈانٹا کہ جو مَیں کہہ رہا ہوں، لکھنا ہے تو لکھو ورنہ اپنی راہ لو۔ بلکہ اکثر سمجھاتے چلے جاتے اور بار بار اپنی بات کو مختلف زاویوں سے واضح کرنے کی کوشش کرتے۔ اردو زبان میں اپنی کمزوری کا بھی بارہا اظہار کرتے۔ حالانکہ مَیں جانتا تھا کہ آپ ہر چھوٹے سے چھوٹے معاملہ کا نہایت احتیاط سے بغور جائزہ لیا کرتے تھے اور پھر نہایت مناسب الفاظ میں اپنی رائے کا اظہار کیا کرتے تھے۔

جب میری رہائش لندن میں ہوگئی تو کئی بار بعض ضروری خطوط لکھوانے کے لئے مرکزی کمپیوٹر سیکشن میں بھی تشریف لائے۔ اکثر ’’اردو کلاس‘‘ وغیرہ سے فارغ ہوکر آتے اور رات گئے واپس اسلام آباد جاتے۔ ڈرائیونگ آپ کو نہیں آتی تھی۔ اس خدمت کے لئے آپ کی اہلیہ محترمہ اور مکرم رشید احمد ارشد صاحب وقف تھے۔ ڈرائیونگ سیکھنے کی (یا یوں کہنا چاہئے کہ خاکسار نے آپ کو ڈرائیونگ سکھانے کی) ایک بار کوشش کی تھی۔ جب خاکسار نے اسلام آباد کی گراؤنڈ میں آپ کو ایک وین (Van) کی ڈرائیونگ سیٹ پر بٹھایا۔ پھر چند بار گاڑی کا Mechanism سمجھانے کے بعد اور گیئر وغیرہ لگوانے کے پریکٹیکل کے بعد، عرض کیا کہ اب خود سٹارٹ کر کے گیئر لگائیں اور اس کو چلائیں۔ آپ نے بڑی احتیاط سے وین سٹارٹ کر لی، Clutch دبا کر پہلا گیئر بھی لگالیا۔ گاڑی رینگنے لگی۔ پھر دوسرا گیئر بھی لگالیا۔ لیکن جب مَیں نے کہا کہ اب بریک لگائیں تو آپ بھول چکے تھے کہ بریک کیسے لگانی ہے اور سٹیئرنگ کیسے موڑنا ہے۔ بظاہر آپ لطف اندوز تو ہو رہے تھے لیکن بریک کی بجائے Accelerator ہی دبا رہے تھے۔ چنانچہ مَیں نے ٹانگ آگے بڑھا کر بریک لگائی تو گاڑی ایک شدید جھٹکے سے رُک گئی۔ ہم دونوں ہنسنے لگے اور بغیر کچھ کہے دونوں ہی سمجھ گئے کہ یہ پہلا اور آخری Driving Lesson تھا۔ (اُس وقت تک آٹومیٹک گاڑیاں اتنی عام نہیں ہوئی تھیں ورنہ شاید آپ کے لئے آسانی ہو جاتی۔) پھر اس نئے تجربہ پر باتیں کرتے رہے اور میرے یہ واقعہ سنانے سے بہت لطف اندوز ہوئے کہ حضرت مصلح موعودؓ نے بھی کسی جگہ یہ ذکر فرمایا ہے کہ حضور رضی اللہ عنہ کو ڈرائیونگ سیکھنے میں اس لئے کامیابی نہیں ہوسکی تھی کیونکہ جب حضورؓ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے اور گاڑی چلانی شروع کی تو ذہن قرآن کریم کی کسی آیت کی تفسیر میں اتنا محو ہوگیا کہ توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز نہ رہ سکی۔

✿ محترم عثمان چینی صاحب کے ذہن میں بھی ہر وقت قرآن کریم اور اسلام کی تعلیمات کے حوالہ سے کوئی نہ کوئی بات غور و فکر کا مرکز رہتی۔ کبھی کوئی نکتہ سلجھتا تو بہت لُطف لے کر اُسے بیان کرتے۔ کبھی آپ کی زندگی کے روحانی پہلوؤں یا تصوّف کے مسائل وغیرہ پر بات ہوتی تو لطف آجاتا۔ ربوہ کے اُن ابتدائی بزرگان کے ایسے ایمان افروز واقعات بھی سناتے جن کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع آپ کو ملتا رہا تھا۔ کلّر کہار میں اپنی چلّہ کشی کے تجربات اور دعاؤں کی قبولیت کا ذکر بھی کبھی کبھار کیا کرتے۔ کبھی میدانِ عمل میں ہونے والے کسی خاص تجربہ کو لطف لے کر بیان فرماتے۔

✿ نماز آپ کی روح کی غذا تھی۔ نماز کو سنوار کر ادا کرنا تو تھا ہی لیکن نماز کی تیاری بھی دلی محبت سے کرتے تھے۔ عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ چلنے کی رفتار کم ہوتی جارہی تھی۔ گھنٹوں بیٹھ کر لکھنے پڑھنے کا کام کرنے سے کمر کے مُہرے مستقل ٹیڑھے ہوگئے تھے۔ پھر ہاتھوں میں لمبی سوٹیاں آگئیں تاکہ سہارا لے کر قدم اُٹھا سکیں اور کمر سیدھی رکھ کر آہستہ آہستہ چل سکیں۔ پھر جب کمزوری مزید بڑھی تو Zimmer frame کے سہارے سے بہت آہستہ آہستہ چلتے لیکن آپ کو بوقتِ نماز ہمیشہ مسجد کی طرف ہی گامزن دیکھا۔ رات گئے کسی بھی سفر سے واپس لَوٹتے تو بھی سفر کی طوالت یا تکان کے باوجود فجر کی نماز پر موجود ہوتے۔ اکثر نماز کے بعد بھی دیر تک مسجد میں رہتے۔ ذکر الٰہی بھی کرتے۔ جب تک ورزش وغیرہ کر سکتے تھے تو مسجد کے فرش پر لیٹ کر ورزش بھی کرتے اور کچھ دیر کے لئے آرام بھی کر لیتے۔ جب آپ کو Frozen shoulder کی تکلیف ہوئی تو غالباً حضرت خلیفۃالمسیح الرابعؒ نے آپ کو چینی زبان میں تحریر شدہ ایک کتاب دی تھی جس میں مختلف جانوروں کے حرکت کرنے کے انداز کو بنیاد بنا کر بعض ورزشوں کے پروگرام بتائے گئے تھے جو جسم کے مختلف حصّوں کے لئے مفید ہوسکتے تھے۔ آپ اُس کے مطابق بھی عمل کرتے رہے۔ یُوگا کی بعض ورزشوں میں لکھا تھا کہ فلاں پوزیشن میں بیٹھ کر یا کھڑے ہوکر خاموشی سے اپنے ذہن کو خالی کرلیں اور کچھ نہ سوچیں۔ آپ کہا کرتے کہ کتاب میں تو یوں لکھا ہے لیکن مَیں اُس دوران سورۃ فاتحہ پڑھتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی صفات پر غور کرتا ہوں۔ بلاشبہ آپ عالم باعمل اور ولی اللہ انسان تھے۔

❁ آپ اپنی صحت کا ہر ممکن خیال رکھتے تھے اور اپنے علاج کی طرف بھی سنجیدگی سے توجہ دیتے تھے لیکن ہمیشہ نکتہ نظر یہی ہوتا کہ خدمت دین اور عبادت کے لئے اچھی صحت ضروری ہے۔ ہر شخص کی بات ویسے ہی غور سے سُنتے تھے لیکن بعض لوگ جو ہمدردی سے آپ کی صحت کے بارہ میں آپ کو مسلسل مشورے دینا اپنا فرض سمجھتے تھے اُن کی باتیں بھی غور سے سنتے رہتے اور اگر مناسب سمجھتے اور کوئی بات پسند آجاتی تو ضرور عمل کرتے۔ بعض اوقات دوسروں کے دیئے گئے مشوروں پر عمل کرنے سے پہلے قابل اعتماد دوستوں یا ڈاکٹروں سے اُن کی رائے بھی پوچھتے۔

❁ اگرچہ عام زندگی میں معصوم وجود تھے اور اکثر دوسروں کی بات پر مکمل اعتبار کر لیتے تھے لیکن جماعتی معاملات میں فیصلہ کرتے وقت ہمیشہ دین کو دنیا پر مقدّم رکھتے۔ مَیں ذاتی طور پر اس بات کا گواہ ہوں کہ بعض اوقات اپنے بعض عزیزوں اور قریبی دوستوں کے بارے میں صرف اس لئے سخت فیصلے کئے کیونکہ آپ سمجھتے تھے کہ اگرچہ ہر کسی کی ہمدردی کے لئے کوشش کرنی چاہئے لیکن کبھی کوئی ایسا قدم نہیں اُٹھانا چاہئے جس سے جماعتی نقصان کا احتمال ہو۔

آپ کی سادگی کو دیکھتے ہوئے بعض اوقات حیرت ہوتی کہ آپ مختلف النوع معاملات کا کس قدر گہری نظر سے تجزیہ کرتے ہیں اور ایسے فیصلہ پر پہنچتے ہیں جو واضح طور پر درست نظر آتا ہے۔ پھر جب اپنی پختہ رائے قائم کر لیتے تو خلیفۂ وقت کی خدمت میں کچھ تحریر کرنے سے قبل بہت احتیاط سے الفاظ کا انتخاب کرتے۔ بعض اہم خطوط لکھوا کر پھر مجھ سے رائے لیتے کہ اس خط سے ایسا ویسا تاثر تو نہیں اُبھرتا۔ کئی بار ایسے خطوط لکھتے ہوئے مَیں آپ کا فقرہ تبدیل کرنا چاہتا اور عرض بھی کرتا کہ اس فقرہ کو اس طرح کیوں نہیں لکھ دیتے۔ اس پر آپ اپنے مخصوص فقرہ کا تجزیہ کرتے اور مَیں حیران ہو جاتا کہ اہم معاملات کے بارہ میں اپنی رائے دینے سے قبل آپ نے کس قدر سوچ بچار سے کام لے کر فقرات کا انتخاب کیا ہوا تھا۔ اسی طرح خلیفۂ وقت سے ہدایات لے کر سنگاپور وغیرہ میں اپنی ٹیم کو اطلاع دینے میں بھی نہایت محتاط الفاظ کا انتخاب کرتے۔ آپ کے ساتھ کام کرتے ہوئے بارہا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی ایک بات یاد آیا کرتی کہ تقویٰ اور عقلمندی ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔

آپ کے دفتری استعمال کے لئے کار اور ٹیلیفون وغیرہ مہیا تھے۔ آپ جماعتی اخراجات (ٹیلی فون کالز اور ڈاک وغیرہ) کا گہری نظر سے جائزہ لیتے رہتے، باقاعدہ ریکارڈ رکھنے کی کوشش کرتے اور اپنی ذاتی ضروریات کے لئے استعمال ہونے والی رقم کا احتیاط سے حساب کتاب کرکے اُسے شعبہ مال میں جمع کروا دیتے۔ بعض دفعہ آپ کی محتاط طبیعت دیکھ کر مجھے اُلجھن ہونے لگتی تو آپ فرماتے کہ چونکہ میری طبیعت میں غیر معمولی احتیاط کا مادہ ہے اور ممکن ہے کہ اسی وجہ سے آج تک مَیں کسی ابتلا کا شکار نہیں ہوا۔

❁ آپ کو پوری طرح یہ احساس تھا کہ چینی قوم میں آپ کی حیثیت کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف چین میں بلکہ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے چینی قوم کے افراد کو مذہب کی طرف لانے کے لئے اور خصوصاً اسلام کی پاکیزہ تعلیمات سے متعارف کروانے کے لئے آپ نے اَنتھک محنت کی اور بلاشبہ اپنی تمام تر استعدادوں کو اِس راہ میں پیش کر دیا۔ ایک دو بار لندن میں واقع چائنا ٹاؤن میں بھی خاکسار کو آپ کے ساتھ جانے کا موقع ملا۔ جب چین کا دَورہ کرکے واپس آئے تو چینی قوم کی مذہب سے بیزاری کا ذکر بڑے دکھ سے کرتے۔ وہاں کے مسلمانوں کی عمومی حالت کا بھی ذکر کرتے۔ چینی مسلمانوں کے اسلامی تعلیمات سے نابلد ہونے کا بہت احساس تھا۔

ایک دوبارہ یہ بھی ذکر کیا کہ جب آپ اپنے بھائی اور اور اُن کے بچوں سے ملنے اُن کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے تو نہ صرف نماز کے اوقات میں اپنے عزیزوں کو نماز کی طرف توجہ دلاتے بلکہ بعد میں بھی پوچھتے رہتے کہ کیا انہوں نے نماز پڑھ لی ہے۔ آپ نے بتایا کہ وہ لوگ نماز پڑھنے کی طرف تو متوجہ نہ ہوئے لیکن بار بار پوچھنے پر آخر تنگ آکر وہ آپ کو ہی کہنے لگے کہ چونکہ آپ اب بوڑھے ہو گئے ہیں اس لئے آپ کو یاد نہیں رہتا کہ تھوڑی دیر پہلے بھی آپ نے نماز پڑھنے کے لئے کہا تھا۔

❁ کئی بار فرمانے لگتے کہ مَیں بہت لمبی زندگی نہیں چاہتا۔ مَیں صرف اُتنی ہی زندگی چاہتا ہوں کہ جس کے دوران اسلام کی خدمت اور چینی قوم میں تبلیغ کے لئے کچھ کر سکوں۔ بیماری اور بیکاری کی زندگی کسی کام کی نہیں ہوتی۔ مَیں عرض کرتا کہ بزرگوں کا دعائیں کرنا بھی تو خدمت ہی ہے۔ جب ذہنی اور جسمانی طاقت کم ہو جائے تو نیک وجود کی دعائیں بھی انقلاب لے آیا کرتی ہیں۔ اسی طرح کی باتیں کرتے ہوئے ایک دن اپنی اہلیہ محترمہ کی ایک خواب بیان کی۔ کہنے لگے کہ میری اہلیہ کو اللہ تعالیٰ نے میری عمر اتنے سال بتائی تھی لیکن پھر اہلیہ کی طرف سے بچوں کی چھوٹی عمر کا عرض کرکے بار بار درخواست کرنے پر اللہ تعالیٰ نے میری عمر بڑھا کر 108 سال تک کرنے کی بشارت اُنہیں دی ہے۔ اِس پر مَیں نے بہت خوشی کا اظہار کیا اور حساب لگانے لگا کہ اُس وقت میری عمر کتنی ہوگی۔ لیکن آپ فرمانے لگے کہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ اتنی زیادہ عمر ہو جانے پر کوئی شخص کسی قسم کی کوئی خدمت نہیں کر سکتا بلکہ بیکار ہو کر دوسروں پر بوجھ بن جاتا ہے۔ پھر کہنے لگے کہ میرے لئے یہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ بیکاری اور معذوری کی زندگی سے بچالے اور صرف اُتنی عمر دے کہ جب تک مَیں اُس کے دین کی صحیح رنگ میں خدمت کرنے کے قابل رہ سکوں۔ مَیں نے عرض کیا کہ مَیں تو صرف یہ دعا کروں گا کہ زندگی بھر آپ بیماریوں اور کمزوریوں سے محفوظ رہیں اور یہ کہ چین میں احمدیت کے غلبے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ لیکن آپ یہی کہتے رہے کہ صرف لمبی زندگی کا ہونا فائدہ مند نہیں ہوگا اگر دین کی خدمت سے محرومی ہو جائے۔

امر واقعہ یہی ہے کہ سالہا سال گزر جانے کے باوجود محترم چینی صاحب کی اہلیہ محترمہ کی وہ خواب میرے ذہن سے کبھی محو نہیں ہوئی۔ چند سال سے تو آپ کو ملنے کے بعد مَیں اسی لحاظ سے سوچتا کہ 108 سال کی عمر میں آپ کی صحت کیسی ہوگی؟ لیکن پھر چند سال سے محترم چینی صاحب کی صحت میں مسلسل گرانی نظر آنے لگی، اور آپ کے لندن صاحبِ فراش ہو جانے کے بعد جب کبھی ہسپتال میں یا گھر پر آپ سے ملنے کے لئے حاضر ہوا، تو آپ کی کہی ہوئی باتیں میرے ذہن میں آنے لگتیں اور خوف پیدا ہوتا تھا کہ کہیں آپ کی وہ خواہش قبول نہ ہوگئی ہو جس کا اظہار آپ بار بار کرتے رہے تھے۔ اگرچہ آپ سے پہلے کی طرح باتیں کرنے کو دل تو چاہتا تھا لیکن بیماری کی حالت میں آپ کو دیکھنا بھی تکلیف کا باعث تھا۔

بہرحال آپ اپنے ربّ کی رضا پر ہمیشہ راضی رہنے والے ایسے بزرگ تھے جن کے دل میں ہر انسان بلکہ جانوروں کے لئے بھی خیر ہی خیر تھی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے، آپ کو آپ کی خدمات کا بہترین اجر عطا فرمائے اور اعلیٰ علیّین میں اپنے پیاروں کے قرب میں جگہ دے۔ آمین

نوبل انعام یافتہ رابندر ناتھ ٹیگور کے ادب پر اسلام کا اثر

مفیض الرحمٰن (بوسنیا) ۔ شیخ فضل عمر (انگلینڈ)

(چوتھی اور آخری قسط)

اِنَّ مِنَ الشِّعرِ لَحِکمَۃٌ

ذیل میں ٹیگور کے چند منتخب اشعار کا ترجمہ پیش ہے جن میں اُسکی محبت الٰہی، اُمیدِ مغفرت، کبر سے نجات کی دعا، اور روحانی احساسات کی جھلک موجود ہے۔

☆ دراصل ٹیگور کے منتخب کلام میں سرفہرست وہ آزاد نظم ہے جس کا ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے کر کے اسے امر بنا دیا اور اس میں موجود نکاتِ معرفت کو ایک بلند مقام تک پہنچا دیا یعنی: ''اِذنِ نغمہ مجھے تُو دے تو میں کیوں نہ گاؤں'':

اِذنِ نغمہ مجھے تُو دے تو مَیں کیوں نہ گاؤں
تیرے اِس لطف وکرم سے تو مرے کون ومکان
دَمک اُٹھے ہیں، مری دھرتی چمک اُٹھی ہے
میرا سُورج بھی ہے تُو ۔ چاند ستارے بھی تُو
اپنے جیون پہ مرا فخر ترے دَم سے ہے
دیکھتا ہوں مَیں ترا حُسن تو چشمِ نم سے
میرے بہتے ہوئے اشکوں میں جھلکتا ہے تُو
تیرا احساں ہے کہ تُو نے مجھے گیتوں کے لئے
چُن لیا ہے کہ مَیں بنتا رہوں، گاتا رہوں ۔ گیت
زندگی میں نہ کثافت رہی کوئی نہ جمود
ساری بے ربطگی، موسیقی میں تحلیل ہوئی
ایسی موسیقی ۔ جو اک آبی پرندے کی طرح
اپنے پَر وسعتِ افلاک میں پھیلائے ہوئے
نیلگوں بحرِ محبت پہ تھی محوِ پرواز
اپنی ہی موجِ طرب میں ۔ تھی فضا پر رقصاں
اُس کے پَر چھونے لگے، تیرے قدم کی محراب
کوئی باقی نہ رہی پھر کسی معبد کی تلاش
اِتنا نشّہ ہے ترے پیار کے گیتوں میں کہ مَیں
دوست کہہ دیتا ہوں تجھ کو، اسی مدہوشی میں
تُو تو مالک ہے، خداوند ہے، خالق ہے مرا
مجھ سے ناراض نہ ہونا، مَیں ترا چاکر ہوں۔

☆ میں جیسا بھی ہوں ویسے ہی،
دل کھول کے تمہیں دکھانے دو
دُور دُور تک جاتا ہوں میں تمہاری ہی تلاش میں
کیا معلوم تم موجود ہو میرے ہی آس پاس میں۔
ہو آنکھوں کی پلکوں میں لیکن پھر بھی نگاہوں سے دُور ہو
جب دُور کے خیال میں کھو جاؤں تو پھر تم کتنے قریب ہو......

عسر و یسر میں تمہارا ہی ہوں،
عرض کرتا ہوں بصد ادب

☆ میرا جلایا دیپ، پیارے! دھواں اور مَیل پھیلائے
تم کوئی ایسا دیپ جلاؤ، گھر میں اُجالا ہو جائے
میرے گھر کے ہر گوشے میں تمہارا نُور برستا جائے

☆ آنکھ بند ہوئی میری یہ سوچتے ہوئے
تیرا ہی نام زبان پہ ہو آنکھ کھولتے ہوئے

☆ دیتا ہوں اِس اُمید میں بے سُری آواز
گھرے عشق کے برسات کا پانی
دل میں برسے کاش!

☆ بھر دو گے میری جھولی دے کر اپنا فیضان
ویران دل کو کرتا ہوں اس امید پہ قربان

☆ عزیز میرے عزیز رہیں، انہیں ہو گی نہ خبر انجانے میں
ان سے بھی قریب تر ہے تُو میرے دل کے آشیانے میں

☆ الٰہی نہ کروں گا فریاد کسی سے کہ چھوڑیں راہ تیرے واسطے
کشش میری محبت کی مجھے کھینچے گی ہمیشہ تیری گلی کے راستے

☆ جہاں بھی رہوں کائنات میں زندگی کے ساتھ
کہیں ہے غم تو کہیں موت، جدائی کی نہیں بات

☆ سوالی ہوں معافی کا تمہارے دربار میں
مٹا دو ساری کمزوریاں جو ہیں میرے کردار میں

☆ دو جسے علم اپنا اسے قوّت بھی دینا
اس راہ سے گزرنے کی استقامت بھی دینا

☆ زندگی میں موت کو لگا لیا گلے
مرنے کے بعد زندگی اس طرح ملے

☆ گراں ہو مجھ پہ مُہر دل، تلفِ مال سے
ایسی ہی کچھ حس مانگوں پروردگار سے

☆ اے بادشاہِ دوسرا و دو جہاں
اپنی ذات کو رکھا ہے نہاں در نہاں

☆ سربسجود رہوں ہمیش، اپنے قدموں میں ڈال دو
میرے کبر و غرور کو گریہ میں ڈھال دو

☆ خودی کی لذت میں، خود کو ذلیل کرتا ہوں
خودی کا طواف کرتے ہوئے خودی میں ہی مرتا ہوں

☆ شہرت اپنی مطلوب نہ ہو، اپنے ہر ایک کام میں
تمہاری مرضی پوری ہو، میرے صبح و شام میں

☆ بِن مانگے تیری نعمت کا جاری ہے فیضان
زندگی کے ساتھ ملی روشنی اور کھلا آسمان

☆ گرتے پڑتے ہوئے تمہاری طرف جاتا ہوں
قریب ہو کر بھی تم سے دُور ہی نظر آتا ہوں

☆ عشق کے اس رنگ کو جانتا ہوں مَیں
وصال میرا مقدّر ہے مانتا ہوں میں

☆ قبول کرو گے مجھے بنا کے کامل میری ذات میں
آزاد کرو گے خواہش سے اپنے مبارک ہاتھ میں

☆ تیرے ملنے سے کوئی غیر نہیں رہتا
کوئی سرحد نہیں رہتی کوئی خوف نہیں رہتا

☆ ہر شئی میں مشہود ہو تیری جلوہ نمائی
اجنبی بنے دوست اور غیر بنے بھائی

☆ اے دل میں میرے بسنے والے دل کی گرہ کھول دے
شفقتِ نور و جمال کا رَس دل میں میرے گھول دے

☆ جوش و امنگ سے بھر جائے دل، نہ خوف ہو کسی گوشے میں
نیکی و یقین سے پُر ہو دل، ڈروں نہ کچھ بھی کھونے میں

☆ کسی سے بھی بَیر نہ ہو، ساری حدیں توڑ دے
ہر عمل میں تُو ہی تُو ہو، ایسا رشتہ جوڑ دے

☆ دولت و نعمت تیری ملکیت مرضی اپنی کھول
دینے ہوں تو دے دے مولیٰ لینے ہوں تو بول

☆ کھیلو گر صرف آنکھ مچولی اور نہ ہو دیدار
کیسے گزریں دن میرے جب بادل کی ہو دھار

☆ تم ہو لامحدود، اپنی ذات میں
ہوتی ہے نئی شان ہر ایک بات میں

☆ گر دل کو محبت سے رکھنا تھا باز
پھر کیوں صبح صادق میں نغموں کا ہے ساز
کیوں ستاروں کے ہار، کیوں پھولوں کا بستر
کیوں چپکے سے کانوں میں بادِ صبا کھولے راز؟
کیوں ہر لحہ دل میں مرے بے اختیاری ہے
کیوں بحرِ بے کراں میں سفر کی تیاری ہے

☆ چلو کہ چل کے قصہ تمام کر آئیں
اسی کے قدموں پہ دل عام کر آئیں
بصد عجز ظاہر کردوں عشق کا یہ راز
کتنا تمہیں چاہوں بتا ہی دوں آج

☆ پناہ میں اپنی لے لو مجھے، اُمید کے ساتھ آیا ہوں
مفلس کو نہ چاہے کوئی، سو تم سے اُمید لگاتا ہوں
قدموں تلے دو جگہ مجھے، یہی میری تمنا ہے
پناہ تمہاری نہ ملے تو پھر ٹھکانا ہے کہاں!

☆ ٹوٹے میرے دروازے جس رات طوفان میں
تم آئے میرے گھر پہ، یہ نہ تھا میرے گمان میں

☆ صرف پیغام سے نہ پیاس بجھے اے میرے پیارے
ایسا بھی ہو کہ آپ میرے دل میں ہوں پدھارے!

☆ جو دیکھتا ہے مجھے اپنی نگاہِ رحم سے
کرتا ہوں نذر خود کو میں آج اسی کے قدم پہ
اے حسن ازل و ذوالجلال!
جو تمہیں ہے دیا وہ ہے تمہاری ہی عطا
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

واحد لاشریک خدا کی محبت اور ٹیگور

دین اسلام کا مرکزی نقطہ خدا تعالیٰ کی ذات ہے اور اسی سے اپنی تمام محبت و عبادت خاص کرنا ہی کامل اسلام ہے۔ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا ارشاد ہے: یہ خدا ہے جو ہمارے سلسلہ کی شرط ہے۔

☆ ٹیگور ہستی باری تعالیٰ کا ثبوت ایک ناول میں اس طرح دیتا ہے کہ: ہر مقام اور شئی میں ایک منظّم نظام کارفرما ہے۔ بغیر ایک بادشاہ کے اس منظّم نظام کا تصور کیسے کرو گے!؟

☆ وہ واحد ہے اور ہر ایک سے عزیز تر، وہی ہے جو مال و اولاد سے بھی پیارا ہے۔

☆ جب ہم اس دروازہ کو اپنی کوشش سے کھول کر اپنی مکمل آزادی اس کے سپرد کر دیں گے، وہ متاع جو دنیا میں صرف میری ہے اَور کسی کا اس میں حق نہیں اسی متاع کو اُسکے سپرد کر دیں گے اور میرا کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ تب جا کر وہ ملتا ہے۔

☆ جو شخص اس (خدا تعالیٰ) کی معرفت کے بغیر اس دنیا سے گزر گیا، وہ بخیل ہے، قابل رحم ہے۔

☆ جب لامتناہی محبت آسمان میں آزاد ہو تو وہ دل کے ساتھ ہو لیتی ہے۔ اور جب محبت روزمرّہ کی زندگی کا حصہ بن جائے تو دنیا میں (دل) سے دُور ہو جاتی ہے۔

مناجاتِ ٹیگور

ہندوستان کے قومی ترانہ کی تخلیق کا سہرا ٹیگور کے سر پر ہے۔ یہ ترانہ بنگالی زبان میں تھا، پھر اس کو سنسکرت کا لہجہ دے کر سنوارا گیا۔ انڈین نیشنل کانگریس کے 1911ء کے اجلاس میں یہ پہلی دفعہ پڑھا گیا۔ 24 جنوری 1950ء کو ہندوستان کی قانون ساز کمیٹی نے سرکاری طور پر منظوری دی اور یہ نظم ہندوستان کا قومی ترانہ ہو گئی۔ اس ترانہ میں خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء پائی جاتی ہے۔ نیز خدا تعالیٰ کی بعض صفات کا بھی ذکر ہے۔ جیسے کہ عوام کے دل و ذہن پر حکومت کرنے والے!، تقدیر بنانے والے!، برکت عطا فرمانے والے! وغیرہ۔

☆ ایک موقع پر وہ دعا کرتا ہے: جھوٹ سے سچائی کی طرف میری رہنمائی فرما۔ مجھے ظلمت سے نکال کر روشنی کی طرف لے چل۔ مجھے فنا سے بقا کی طرف منتقل کر۔ اے خود کو ظاہر کرنے والے! میرے سامنے جلوہ نمائی فرما۔
اے ذوالجلال! اپنی وجہِ کریم سے ہمیشہ میری حفاظت فرما۔

☆ ایک جگہ دعا کا پس منظر یوں بیان کرتا ہے: یاد رکھنا چاہئے جو کچھ اس نے دینا تھا وہ ہماری دعا سے بہت پہلے وہ دے چکا ہے۔ ہم مختلف قسم و قسم کے نعماء سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ اب صرف کچھ لینے کی کوشش باقی ہے اور وہی اصل دعا ہے۔
ریشی نے کہا ہے کہ: اے خود کو ظاہر کرنے والے میرے سامنے جلوہ نمائی

فرما۔تو خود کو ظاہر کر چکا ہے اب صرف میرے سامنے ظاہر ہو جا یہی میری دعا ہے۔...... اگرچہ تیرا ظہور کامل طور پر مشہود ہے لیکن جب تک مجھے دیدار نصیب نہ ہومیں تو محروم ہی رہ جاؤں گا۔سورج کی روشنی خود روشن وظاہر ہے اب صرف ہمیں بیدار ہو کر آنکھیں کھولنے کی ضرورت ہے ...... پس اس سے ظاہر ہے کہ ہم جو چاہتے ہیں،اس کی حقیقی معرفت ابتدائے عبادت ہے۔

☆ ٹیگور کی ایک اور عاجزانہ دعا ملاحظہ کیجئے:

اے خالق وربِ کائنات، تو مجھے قبول فرمالے۔تو نے کائنات کی دیگر اشیاء کی طرح مجھے بھی اپنی ذات میں کامل بنایا ہے۔مَیں اس تکمیل کو اپنے جسم وروح میں، ظاہر و باطن میں، علم وعمل وخیال میں واضح طور پر مشاہدہ کرنا چاہتا ہوں۔مَیں ہمیشہ تجھ میں فنا ہو کر عاجزی اور خاموشی کے ساتھ تیرا کام کرنا چاہتا ہوں۔تُو ہر لحہ مجھے حکم فرماتا جا، مجھے آواز دے، اپنی مستانی آنکھوں سے مجھے سرور پہنچا، اپنے دائیں ہاتھ سے مجھے قوّت عطا فرما۔جب مشکل وقت آکھڑا ہو اور دوست بھی مدد کو نہ آئے، لوگ تمسخر کرنے لگیں، نصرت جب دُور نظر آنے لگے۔اُس وقت تُو مجھے مغلوب وخاسر نہ ہونے دینا۔مجھے کسی کی محتاجی میں نہ رکھنا۔ایسا نہ ہو کہ مجھے لوگوں سے ڈر محسوس ہونے لگے،لوگوں کی باتوں سے میں متزلزل ہو جاؤں، دنیا کے حملہ سے بکھر جاؤں۔صرف تو واحد میرے دل کے عرش میں رونق افروز ہو جا، مجھ پر صرف تیرا حق ہو۔تکبر سے مجھے نجات دے کہ میری ذات کو اپنے قدموں کے نیچے پناہ دیدے۔......

☆ اس مضمون کا اختتام ٹیگور کی ایک بہت خوبصورت دعا سے کرتے ہیں جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اُس کا انداز فکر کس عالمگیر مذہب کا مرہون منت تھا:

اے میری جاں کی سپر! میری قوت دید وشنوائی! اے میرے سب پیاروں سے پیارے! میری نظر، شنوائی، سوچ وفکر، میرا ہر عمل ہر لحہ تیری طرف گامزن ہے۔مجھے دکھ ہے کہ میں ان باتوں سے لاعلم ہوں اور میری نیت وارادہ اس میں شامل نہیں ہے۔میں نابینا کی طرح تمام چیزوں کو بزور طاقت اپنی ملکیت سمجھتا ہوں۔مگر جب طاقت ٹوٹتی ہے تو پھر میرا کچھ بھی نہیں رہتا۔میں ہر روز دنیا کی نعمتیں اور تیری عطا کو اپنی ملکیت میں شامل کرنے کی ناکام کوشش میں بیمار ہوتا جاتا ہوں۔آج مَیں کچھ نہیں مانگتا، آج مَیں حاصل کرنے کی دعا نہیں کرتا بلکہ آج میں دینا چاہتا ہوں، دینے کی قوّت وطاقت چاہتا ہوں۔آج مَیں خود کو مکمل طور پر تمہارے سپرد کرنا چاہتا ہوں، اور اس سپردگی میں ہی میری تکمیل ہے۔

اس دنیا میں بذریعہ عمل جو بھی تیری خدمت کروں گا، وہ خدمت ہمیشہ کے لئے میری محبت میں تازگی اور اخلاص بھر دے۔تیری نعمتوں کے بحر بے کراں میں جو راحت ہے وہ راحت مجھے دائمی امن عطا کرے۔تو ہر روز درجہ بدرجہ کنول کی طرح دنیا میں مجھے ترقی عطا فرما کر اپنی عبادت کے لئے قبول فرمالے۔

آئیے! کشتیٔ نوح میں آبیٹھیں

(واحداللہ جاوید۔ لندن)

جب کسی گھر پر کوئی مصیبت آتی ہے تو سب سے پہلے افرادِ خانہ کا یہ کام ہوتا ہے کہ اپنے تمام باہمی اختلافات کو بالائے طاق رکھ دیں۔عمل صالح بھی یہی ہوتا ہے۔چنانچہ محلّے، گاؤں، شہر اور ملکوں کے باسی بھی ایسے مواقع پر اسی عمل صالح کا مظاہرہ کرتے ہیں۔چنانچہ آج اگر پوری انسانیت خطرے سے دوچار ہے تو پھر ہر انسان کو یہی طرز عمل اپنانے کی ضرورت ہے۔آج کے حالات کا تقاضا ہے کہ ہر انسان اپنے آپ پر اسی صالح طرزِ عمل کو نافذ کرلے۔

جن انسانی غلطیوں کی وجہ سے آج ہم تباہی کے دہانے پر کھڑے ہیں ان کا ازالہ یکجہتی ہی ہے۔ایک چڑیا کی کہانی کا تو ہم سب کو ہی پتہ ہے کہ جب اُس کے گاؤں کو آگ لگی تو بے چاری اپنی چونچ میں پانی کا ایک قطرہ لاتی اور بھڑکتی آگ پر صرف اس غرض سے ڈالتی رہی کہ اپنے حصے کا کام تو کر جائے۔

آج جس عالمگیر آگ کے بھڑکنے کے آثار نمودار ہو رہے ہیں اندیشہ ہے کہ وہ نہایت ہی ہولناک ہوگی۔اگر یہ بھڑک گئی تو پھر خدائے ذوالعجائب کے ساتھ پیار ہی انسان کو بچا سکتا ہے۔پس یہی اِس وقت کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے اُس اللہ ربّ العالمین کی طرف اپنا منہ پھیر لیں جس نے یہ کائنات تخلیق کی ہے اور پھر ایک لمحے کے لئے بھی اس سے غافل نہیں ہوا۔یقیناً اللہ کی طاقتور پناہ میں آنے سے ہی طاغوتی درندوں سے بچا جا سکتا ہے۔

لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ عافیت کے حصار میں آنے کے لئے محض زبانی اقرار نا کافی ہے۔حفاظتی قلعہ میں داخل ہونے کے لئے درج بالا عملِ صالح ضروری ہے۔اختصار اور آسانی کے لئے عرض ہے کہ صرف محبت ہی امن اور خدا کا راستہ ہے اور محبت کا چراغ ہی ایک انسان کی زندگی کی ضمانت ہے۔

انسان سے محبت کرنے والے ہی وہ وجود ہیں جن کے بارہ میں حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں: "جو خدا سے ظاہر ہوتے ہیں اور خدا ان سے ظاہر ہوتا ہے۔"

دراصل محبت تو کسی بھی صلہ اور قربانی سے بے نیاز ہوتی ہے۔ماں اپنی اولاد سے بے لوث پیار کرتی ہے۔ماں کو اگر یہ علم بھی ہو جائے کہ بچے سے تعلق کے نتیجے میں اُس کی جان بھی جا سکتی ہے اور الگ ہونے میں ہی اُس کی حفاظت کی ضمانت ہے تب بھی ماں اپنی جان پر کھیل کر بھی اپنے بچے سے الگ نہ ہوگی۔خدا کے بندوں کے لئے ایسی محبت پیدا کرنے کی کوشش نجات کی ضامن ہے۔مزاج ایسا ہو کہ بھائی کا قصور ہر دم معاف کرنے کو تیار رہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: "شریر ہے وہ انسان جو اپنے بھائی کے ساتھ صلح پر راضی نہیں، وہ کاٹا جائے گا کیونکہ وہ تفرقہ ڈالتا ہے۔"

پھر فرمایا: "سچے ہو کر جھوٹوں کی طرح تذلّل کرو۔"

پس جو شخص معاف کرنے میں بخیل ہے اس کے لئے اچھی خبر نہیں ہے۔معاف نہ کرنے والا شخص خدا تعالیٰ سے معافی کی بھیک کیسے مانگ سکتا ہے!۔پوری زندگی تو ایک طرف رہی، انسان صرف ایک دن کی اپنی خطاؤں کو لے کر بھی معافی کے بغیر نہیں چل سکتا۔کیا خوب شعر کسی نے کہا ہے جس کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ جب اپنے گناہوں پر میری نظر پڑی تو پھر میری نگاہ میں کوئی دوسرا بُرا نہ رہا۔

بلاشبہ کائنات کا ایک خدا ہے جس کی ہمیں ہر دَم ضرورت ہے۔مگر اس کو ہماری ہرگز ضرورت نہیں۔ہر شے اُس کی غلام ہے۔محض اُس کی پناہ ہی حقیقی پناہ ہے۔اُس کی مخلوق سے محبت اور ہمدردی کرتے ہوئے امید رکھنی چاہئے کہ ہمارا اس بات کا اقرار اور یہ احساس ہمیں اپنے اللہ کی پناہ میں لے جائے گا کہ وہی ہر معاملہ میں ہمارا محافظ ہے۔اور یقیناً اُس ناخدا کی کشتی ہی ہمارے لئے امن وعافیت کی ضمانت ہے۔

بقیہ از صفحہ 4: سبق آموز اور ایک انتباہ

بچے والدہ کے ساتھ چلے گئے۔ گھر ٹوٹنے کے بداثرات بچوں پر بھی ظاہر ہوئے۔ سِلو یا دماغ پر اثر ہونے کے باعث ساری عمر کنواری رہی۔ جبکہ لڑکے یوسف نے شراب نوشی شروع کر دی اور ہسپتال میں فوت ہوا۔ باقی دو لڑکیوں کی اولاد اب آسٹریلیا میں آباد ہے جو اسلام سے بے بہرہ اور مکمل طور پر عیسائی ہے۔ والد نے طلاق کے بعد بھی بچوں سے رابطہ رکھا اور انہیں اسلام کی طرف مائل کرتے رہے مگر کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ گو بچے اپنے والد کی فیاضی کے باعث انہیں پیار کرتے رہے مگر مذہب کے بارہ میں مکمل طور پر والدہ کے زیر اثر رہے۔ چنانچہ دو چھوٹی بچیوں کی شادیاں کیتھولک رواج کے مطابق انجام پائیں اور یہ حسرت سے دیکھا کئے!۔

عبدالحکیم گھریلو واقعات سے اور اکیلے پن سے تنگ آکر پرانے رشتوں کی تلاش میں جب نکلے تو پتہ چلا کہ ماں باپ کب کے وفات پا چکے ہیں، بیوی خاوند سے لمبی جدائی کے باعث صبر کر بیٹھی ہے اور انہیں کسی طور خوش آمدید کہنے کی روادار نہیں ہے۔ آجا کر بیٹے حبیب اللہ خان کا خیال آیا جو افریقہ میں تھے اور احمدیت قبول کر کے باپ کو کئی تبلیغی خط بھی لکھ چکے تھے۔ چنانچہ عبدالحکیم 1935ء میں افریقہ پہنچے، پہلی دفعہ بیٹے سے ملے، تسلی ہوئی، مگر مذہبی اختلاف دونوں میں قائم رہا۔ کچھ عرصہ وہاں اپنے پوتے پوتیوں سے دل بہلایا اور پھر دلبرداشتہ واپس آسٹریلیا چلے گئے۔

آخری عمر میں عبدالحکیم صاحب کی شدید خواہش تھی کہ اُن کی وفات اپنے وطن میں ہو۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بیٹے ڈاکٹر حبیب اللہ خان صاحب سے جنوری 1953ء میں ایک خط میں اپنی اس خواہش کا اظہار کیا اور اطلاع دی کہ ان کی صحت تیزی سے گر رہی ہے اور انہوں نے وطن واپس آنے کے لئے ہوائی جہاز کی ٹکٹ بھی خرید لی ہے۔ مگر ان کی یہ آخری خواہش بھی پوری نہ ہوسکی۔...... پاکستان میں تمام رشتہ داران کی آمد کے منتظر تھے کہ ناگہاں خبر ملی کہ عبدالحکیم دماغی رَگ کے پھٹ جانے اور گردوں کے فیل ہوجانے کے باعث 15 فروری 1953ء کو ہسپتال میں کچھ عرصہ بیمار رہ کر وفات پا گئے۔ اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ارد گرد کے مسلمانوں نے کفنا دفنا دیا۔ رہے نام اللہ کا!

اس تمام واقعے کا عبرت ناک پہلو یہ بھی ہے کہ:

مَیں اپنے اباجی مرحوم ڈاکٹر حبیب اللہ خان صاحب کے پرانے کاغذات دیکھ رہا تھا، اُن میں دادا مرحوم کے کچھ خط بھی تھے۔ اچانک میرے ذہن میں خیال آیا کہ خط پر دیئے ہوئے پتہ پر خط لکھوں شاید اس طرح اپنے آسٹریلوی رشتہ داروں کا پتہ چلے کہ کس حال میں ہیں۔ یہ ایک قدرتی جستجو تھی۔

آخر کار مجھے ایک عورت ویلری بش کا خط موصول ہوا، اپنا تعارف کراتے ہوئے اس نے بتایا کہ وہ عبدالحکیم مرحوم (جنہیں وہ بچپن میں Pop کہا کرتی تھی) کی سب سے چھوٹی بیٹی کی بیٹی ہے۔ نیز اس کی والدہ، خالائیں اور ماموں تمام وفات پا چکے ہیں۔ مجھے مخاطب کرتے ہوئے اُس نے لکھا کہ اغلباً تم میرے ماموں زاد بھائی ہو وغیرہ وغیرہ۔ مزید خط وکتابت میں ویلری نے اپنے خاندان کے بارہ میں مزید معلومات مہیا کیں۔ جب مَیں نے دادا مرحوم کی قبر کے بارہ میں استفسار کیا۔ تو جواباً ویلری نے پوچھا: ''بتاؤ اُن کا مذہب کیا تھا؟ کیا وہ ہندو، عیسائی، یا یہودی تھے؟ تا کہ علاقہ کے متعلقہ قبرستانوں کے ریکارڈ سے قبر کی نشاندہی ہوسکے''۔ مَیں اس استفسار کو پڑھ کر کچھ دیر کے لئے سکتہ میں آ گیا۔ جو آدمی باوجود تمام مشکلات کے اپنے دین سے ساری عمر چمٹا رہا، صرف ایک لغزش کی پاداش میں اپنے ہی بچوں میں اپنی شناخت کھو بیٹھا۔ **العیاذ و الحضر**

گزشتہ دنوں مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی بیان فرمودہ ایک ترجمۃ القرآن کلاس www.alislam.org پر سننے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس کلاس میں سورہ البقرہ کی آیت نمبر 222 کی تفسیر حضورؒ نے بیان فرمائی تھی جس کا ترجمہ یوں ہے: ''اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔ اور یقیناً ایک مومن لونڈی، ایک (آزاد) مشرکہ سے بہتر ہے خواہ وہ تمہیں کیسی ہی پسند آئے۔ اور مشرک مردوں سے اپنی لڑکیاں نہ بیاہا کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔ اور یقیناً ایک مومن غلام، ایک (آزاد) مشرک سے بہتر ہے خواہ وہ تمہیں کیسا ہی پسند آئے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو آگ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے اذن سے (تمہیں) جنت کی طرف اور بخشش کی طرف بلا رہا ہے۔ اور وہ لوگوں کے لئے اپنے نشانات کھول کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ وہ نصیحت پکڑیں''۔

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے حضورؒ فرماتے ہیں:

''بعض لوگ اپنی زندگی مزے میں گزارنے کے لئے ایسی عورتوں سے شادی کر لیتے ہیں جو ایمان میں کمزور ہوتی ہیں۔ دینی لحاظ سے کمزور عورت نسلیں بگاڑ دیتی ہے۔ وہ خود بھی ایسی باتوں کی طرف مائل ہوسکتے ہیں جس کی وجہ سے جنت سے محروم ہوجاتے ہیں''۔

درج بالا قصے کا ماحصل حضورؒ کے اس ارشاد کی صداقت کا عملی ثبوت ہے۔ اور ہمارے لئے جو مغربی ممالک میں آ، آباد ہوئے ہیں ایک انتباہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضورؒ نے باوجود اپنی بے انتہا مصروفیات کے قرآنِ کریم کے دروس اور کلاسوں کا باقاعدہ اہتمام فرمایا۔ اسی طرح بچوں کی اردو کلاس شروع فرمائی۔ بعدازاں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بھی اپنے خطبات اور خطابات میں جماعت کو بار بار توجہ دلاتے رہے کہ مغربی معاشرے کی چکا چوند میں اپنی تہذیب اور معاشرتی واسلامی اقدار کو نہیں بھولنا۔ خلفائے کرام ہمیں یہ تنبیہ کرتے رہے ہیں کہ ہماری بقا اپنی اسلامی اقدار سے چمٹے رہنے میں ہی ہے۔ ہماری ذراسی بھی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مغربی تہذیب ہمیں اور ہماری نسلوں کو نگل لے گی اور ہماری اقدار تحلیل ہوکر رہ جائیں گی۔ پس ہمارے لئے ان ارشادات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ خلیفۂ وقت کے خطبات اور خطابات کو بغور سُننا اور اُن پر عمل کرنے کی کوشش کرنا، خلافت سے مضبوط تعلق، ذیلی تنظیموں سے مسلسل عملی رابطہ، گھروں میں نمازوں اور قرآنِ کریم کی تلاوت کا اہتمام، چندوں کی ادائیگی میں باقاعدگی، گھر میں ایم ٹی اے کی نشریات کی اہتمام سے ساعت اور جماعتی عہدیداروں سے تعاون...... یہ وہ ذرائع ہیں جن کی مدد سے ہم خود اور اپنے اہل و عیال کو کشتیٔ نوح میں سوار کر کے ارد گرد پھیلے ہوئے ضلالت اور عصیاں کے سیلاب سے بچ نکلنے کا اہتمام کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کرے کہ ہمیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس رہے، ہم اپنے فرائض سے کبھی بھی غافل نہ ہوں اور دنیا اور آخرت کی حسنات کے وارث ٹھہریں۔ آمین